گیارہواں کھلاڑی
صبا احمد
محمد نعمان
محمد سجاد بھٹی
جاسوسی ڈائجسٹ
اکتوبر 1987 :

جیتنا اگر مشکل ہے تو ہارنا زیادہ مشکل ہے۔ جیتنے کی آرزو سب ہی کر سکتے ہیں مگر کیا ہارنے کا حوصلہ سب رکھتے ہیں۔ کھیل کے میدان کو میدانِ جنگ سمجھ لینے اور فتح و شکست کو اپنی اَنا کا مسئلہ بنا لینے سے انسانی شخصیت اُن منفی رجحانات سے مسخ ہو جاتی ہے جو ذات میں پوشیدہ نفرتوں کے زہر کو کھیل اور کھلاڑی کے درمیان لے آتے ہیں۔ اجتماعی کامیابی کی جد و جہد میں انفرادی کردار کو خلوصِ نیت سے ادا کرنے سے مل کر آگے بڑھنے، اعلیٰ صلاحیتوں کو تسلیم کرنے اور لطف و مسرت حاصل کرنے کے بجائے کھیل انسانی کمزوریوں کے استحصال کا ذریعہ بن جاتا ہے پھر وہ جذبہ مر جاتا ہے جسے کھیل کی رُوح کا نام دیا جاسکتا ہے۔ زندگی کی اعلیٰ قدریں، محبت، عزتِ نفس، احترامِ آدمیت، انصاف پسندی اور کشادہ دلی کے اوصاف سب کا وجود بے مصرف ہو جاتا ہے اور گیارہ کھلاڑیوں میں شامل رہنے کی جد و جہد کا سلسلہ فنا اور بقا کی جنگ سے جا ملتا ہے۔ پھر ایک کھلاڑی کی لاش پر قدم رکھ کے دوسرا کھلاڑی آگے بڑھتا ہے اور جنگل کے قانون میں یہ گیارھواں کھلاڑی مسلسل مرتا رہتا ہے۔ صبا احمد کی اس دلچسپ کہانی کے کردار اسی جنگل میں رہتے ہیں جو ہمارے آپ کے گرد پھیلا ہوا ہے اور انہوں نے اپنے مخصوص پیرایۂ اظہار میں زندگی کے کھیل میں گیارھویں کھلاڑی کے المیہ کو پیش کیا ہے۔

گیارھواں کھلاڑی

صبا احمد

چالیس منٹ سے وہ کوٹھی کے برآمدے میں پڑی ہوئی بید کی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا صرف انتظار میں مبتلا تھا۔ ایسی ہی بید کی تین اور کرسیاں تقریباً نیم دائرے میں برآمدے کی دیوار کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ سب کی پشت گول تھی اور سیٹ چوکور۔۔۔ سب پر ایک سے ویلوٹ کے کور والے کشن تھے۔ چاروں کرسیوں کے مقابل چوکور سینٹر ٹیبل بھی بید کی بنی ہوئی تھی۔ یہ سیٹ شاید اوسط درجے کے صوفہ سیٹ سے مہنگا ہی تھا لیکن یہ رئیسانہ شان کا تقاضا تھا کہ آرائش میں سادگی کے ساتھ پرکاری کا اہتمام نظر آئے۔ ذوقِ جمال کی نمائش کا سامان ہو اور کوئی حاسد، بدخواہ یا غربت کے کمپلیکس کا مارا ہوا یہ نہ کہہ سکے کہ دولت مند تو ملک کی بنی ہوئی کرسی پر تشریف تک نہیں رکھتے۔ یہ سیٹ صاحب خانہ کی گھریلو دستکاری سے دلچسپی کا ثبوت فراہم کرتا تھا۔ بائیں ہاتھ پر اس ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا ہی نہیں گیا تھا جس میں ایش ٹرے، ڈیکوریشن پیس، فرنیچر، پردے اور قالین سب امپورٹڈ تھے۔ اس میں صرف مہمان بٹھائے جاتے تھے جو دیسی ناموں اور صورتوں کے باوجود وضع قطع، مزاج اور فطرت کے اعتبار سے بہرحال ولایتی ہوتے تھے اور

اعظم حفیظ مہمان نہیں تھا تو ضرورت مند بھی نہیں تھا۔

اس کے سامنے پورچ میں عام کار سے دُگنی لمبائی والی لیموزین اپنی تمام تر شان و شوکت کے غرور کے ساتھ کھڑی تھی۔ سالِ رواں کے لگزری ماڈل کی اس ٹویوٹا کراؤن رائل سیلون کا رنگ سیاہ تھا مگر اس کی سطح میں ہر عکس آئینے کی طرح نظر آتا تھا۔ اندر بکٹ سیٹوں پر بے داغ ویلوٹ کے سفید کور تھے اور وہ سب کچھ تھا جو ایک بہت بڑے بینک کے سینئر وائس پریذیڈنٹ کو ملنے والی گاڑی میں ہونا چاہیے۔ سفید وردی اور کیپ والا صحت مند شوفر ایک نرم کپڑے سے کار کو صفائی کے نام پر بہت آہستہ آہستہ سہلا رہا تھا۔ اس کے انہماک میں اپنے کام سے پیشہ ورانہ وابستگی کم تھی اور شوق کی وارفتگی زیادہ تھی۔ جیسے یہ کار ایک نوخیز سیاہ فام حسینہ نازک بدن ہے اور یہ کار کی چمکیلی سطح نہیں اس کافر ادا کے ریشمی جسم کا لمس ہے جس پر پھسلنے والے ہاتھ بھی محتاط ہیں کہ اس نایاب کالے گلاب کی پنکھڑی پر خراش نہ آجائے۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ شوفر اس مہمان نما ضرورت مند کو لفٹ نہیں دینا چاہتا تھا جو برآمدے کی ایک کرسی پر سخت بیزار بیٹھا تھا۔ شوفر نے ایسے بہت سے سائل دیکھے تھے جو اس انتظار گاہ میں اپنے صبر و ضبط کا امتحان لینے آتے تھے۔ کبھی صبر کا میٹھا پھل پا کے بامراد جاتے تھے تو کبھی تلخیِ ایام کی ساری ذمے داری ایسے ہی صاحب لوگوں پر ڈال کے اپنی تقدیر سے لڑتے جھگڑتے لوٹ جاتے تھے۔

مسٹر اے کے خان ٹھیک اس وقت نمودار ہوئے جب اعظم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے چلے جانا چاہیے۔ وی پی صاحب کو غرض ہوگی تو اسے آفس میں بھی بلالیں گے اور اگر نہیں بلاتے تو نہ سہی۔ وہ پھر کبھی ان کے دولت خانے پر حاضری نہیں دے گا۔ شاید آج بھی اس کو نہیں آنا چاہیے تھا مگر خیر... یہ اس سے آخری بار غلطی ہوگئی تھی کیونکہ اسے وی پی صاحب نے دعوت دی تھی اور اعظم کو 'مہمان نوازی' کے اس مظاہرے کی امید ہرگز نہ تھی۔ وہ جانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ کھٹ سے ڈرائنگ روم کے دروازے کی کُنڈی اندر سے کھلی اور اے کے خان باہر آگئے۔ انھوں نے فرض کیا کہ اعظم حفیظ احتراماً کھڑا ہوا تھا۔ وہ غسل، شیو، اخبار کے مطالعے اور ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد لباس بھی بدل چکے تھے اور اب آفس جانے کے لیے بالکل تیار تھے۔

"ارے بھئی اعظم! تم یہاں کیوں بیٹھے ہو۔" انھوں نے معذرت کی مگر اس طرح واضح کیا کہ اعظم اب تک ایک غیر اہم جگہ پر بیٹھا تھا تو یہ غلطی کم بخت نوکروں کی تھی۔

"میں وہیں بیٹھ سکتا تھا جہاں مجھ سے کہا جائے۔" اعظم نے کہا۔ "کیا آپ کو معلوم نہیں تھا کہ میں..."

"ہاں... وہ مجھے تو ابھی پتا چلا... نوکر نے وائف کو بتایا کہ کوئی صاحب سے ملنا چاہتا ہے... اب اسے کیا معلوم... یہاں تو روز دس غرض مند ایسے ہی آجاتے ہیں... خیر اندر آؤ..." انھوں نے کہا۔ "چائے پیو گے؟"

پوچھنے کا انداز ایسا تھا کہ اعظم صرف انکار کر سکتا تھا۔ "جی نہیں..."

"اچھا بیٹھو تو سہی..." انھوں نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود اس وسیع و عریض ڈرائنگ روم کے دوسرے کنارے پر اعظم سے پندرہ فٹ دور بیٹھ گئے۔

"اب آپ کو بھی آفس جانا ہوگا... اور مجھے بھی۔" اعظم نے کہا۔

"ہاں... ہاں..." ابوالقاسم خان نے کلائی کی سنہری رولیکس پر نظر ڈالی۔ "لیکن چند منٹ نکالے جا سکتے ہیں۔ مجھے کل رات کو معلوم ہوا۔ اٹ واز اے رئیل سرپرائز... تم نے واقعی کمال کیا۔ کیا اس سے پہلے ہم کبھی ٹرافی کے سیمی فائنل تک پہنچے تھے؟"

"جی نہیں... تین سال پہلے تو ہم نمبر سیون یا ایٹ رہتے تھے۔" اعظم حفیظ نے کہا۔ "زیرو یا دو پوائنٹس۔ پچھلے سال چار پوائنٹس ہماری سب سے بہترین پرفارمنس تھی جب ہم پانچویں پوزیشن پر رہے تھے۔ ہم پہلی بار سیمی فائنل تک جا پہنچے ہیں اور ہمارے پوائنٹس ہیں چھ۔"

"ویری گڈ... اور اب سیمی فائنل میں کیا چانس ہے؟"

"چانس... کرکٹ کا تو گیم ہی سارا چانس پر ہے۔" اعظم حفیظ نے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ چانس برابر ہے۔ ہمارے مقابل یونین بینک ہے جو پچھلے سال پوائنٹ پر برابر تھے مگر سیمی فائنل صرف اس لیے ہار گئے کہ ان کے ایوریج بہتر نہیں تھے۔ رن ریٹ پر ان کے حریف فاتح قرار دے دیے گئے ورنہ شاید وہ فائنل کھیلتے۔"

"غالباً نیشنل ائیرلائن ہی فائنل جیتے گی۔" اے کے خان نے سگریٹ جلا کے اظہارِ خیال کیا۔ "وہ تین سال سے چیمپئن ہیں۔"

"ہم کوشش کر سکتے ہیں۔ امید رکھ سکتے ہیں۔" اعظم نے کہا۔

اے کے خان جو انگریزی میں خود کو کاسم کہتے تھے طنزیہ انداز میں مسکرائے۔ ان کی مسکراہٹ تو یہی کہتی تھی کہ دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ لیکن اپنے بینک کی ٹیم کے سرپرستِ اعلیٰ کی حیثیت سے انھوں نے سر ہلا کے کہا۔ "آف کورس!" اور پھر کہا "وائی ناٹ۔" ان کو ٹرافی چیمپئن شپ میں ہر سال حصہ لینے والی آٹھ ٹیموں کی پچھلے تین سالوں کی پوزیشن بہت اچھی طرح یاد تھی۔ اگر وہ چیئرمین کے سامنے ہوتے تو اپنے حافظے کی داد پانے کے لیے وہ ہر ٹیم کے پوائنٹس تک بتا دیتے۔ ان کو اس سال اب تک ہونے والے سارے میچوں کی صحیح صورتِ حال کا علم تھا لیکن ایک بہت معروف وی پی کی حیثیت سے وہ ہر ایک کے سامنے یہ تسلیم نہیں کر سکتے تھے

کہ وہ صرف کرکٹ کے ہو کر رہ گئے ہیں۔

"اب یہ سیمی فائنل..." انھوں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "ہار یا جیت کی صورت میں کیا پوزیشن ہوگی؟"

"یونین بنک کے بھی چھ پوائنٹس ہیں۔" اعظم حفیظ نے کہا۔ "اگر انھوں نے میچ جیت لیا تو ظاہر ہے ان کے آٹھ پوائنٹس ہوں گے اور فائنل وہی کھیلیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں جیتنا ہوگا آؤٹ رائٹ ون... تاکہ ہمارے آٹھ پوائنٹ ہو جائیں۔" وی پی نے غور کرتے ہوئے کہا۔ "فرض کرو... تم فائنل تک گئے۔ تو کیا تم سیکنڈ پوزیشن کے لیے کھیلو گے؟"

اعظم ہنسا۔ "ایسا ہم نے کبھی نہیں سوچا اس سے گیم کی اسپرٹ ختم ہو جاتی ہے کھیل صرف جیت کے لیے ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ ایسی..."

"دیکھو اعظم... مجھے یہ سب مت بتاؤ... ہم سب جانتے ہیں کہ کتنی سیریز اور کتنے ٹیسٹ مسلسل ڈرا ہوئے اور اس سے پبلک کی دلچسپی کتنی کم ہوئی تھی۔ وہ انٹرنیشنل کرکٹ کا معاملہ ہے اور اس میں پبلک انٹرسٹ کاؤنٹ ہوتا ہے کیونکہ اس سے گیٹ منی ملتی ہے لیکن ہمارے میچ دیکھنے کے لیے پبلک نہیں آتی۔ جو تھوڑے بہت تماشائی آتے ہیں وہ پروفیشنل قسم کا انٹرسٹ رکھتے ہیں ٹکٹ لگا کے دیکھو ایک بار۔ بس دونوں ٹیمیں ہوں گی میدان میں یا پھر آفیشلز اور مہمان، ہمیں رزلٹ چاہیے۔ ہم کھیل کی سرپرستی نہیں کرتے۔ کھلاڑیوں کے نام سے اپنی پبلسٹی کرتے ہیں پبلسٹی کے بجٹ کی افادیت پہلے دیکھی جاتی ہے۔ اگر ہم ٹورنامنٹ نہ جیتے تو یہ ساری فلاسفی بے مقصد ہے کہ گیم کیا ہوتا ہے اور کیا ہونا چاہیے... میرا مشورہ ہے کہ تم فائنل میں ڈیفینس کرو۔ صرف سیکنڈ پوزیشن کو ٹارگٹ بنا کے کیونکہ نیشنل ایئرلائنز سے جیتنے کی کوشش کرنا ایک خطرناک جوا ہوگا ناؤ پلیز... ڈونٹ سے کہ کرکٹ از اے گیم آف چانسز۔"

"کیا آپ نے یہی کہنے کے لیے مجھے بلایا تھا؟" اعظم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"نہیں... یہ تو میں نے تم کو ایک رائے دی ہے۔" وی پی صاحب نے کہا۔

"اور کیا میرے لیے یہ لائن نہ لینا میرا ان ڈسپلن شمار ہوگا؟"

"ہو بھی سکتا ہے... تم بہر حال بنک کے ملازم ہو۔" وی پی نے کہا۔ "لیکن ظاہر ہے تم کو جوا کھیلنے سے نہیں روکا جا سکتا۔ تم بنک میں اپنے فیوچر کو داؤ پر لگا کے فائنل میں جیتنا چاہو اور اس کوشش میں ہار جاؤ تو میں یقیناً اس مسئلے کو اٹھاؤں گا کہ میں نے کیا پروپوز کیا تھا مگر تم نے میری بات نہیں مانی تھی۔ تاہم وہ ابھی دور کی بات ہے۔ فوری مسئلہ ہے سیمی فائنل کا جو کل ہے۔"

"اس پر ہم شام کی میٹنگ میں بات کر سکتے تھے۔" اعظم نے کہا۔

"اس وقت وہ بات نہیں ہوگی جو یہاں ہوگی۔" وی پی نے کہا۔ "یہ سب آف دی ریکارڈ ہے۔ تم اس کا حوالہ کہیں نہیں دو گے کیونکہ ویسے تو میں ڈیوٹی پر اور اپنے کمرے میں ہوں۔ میری سیکرٹری نے نہ جانے کتنے لوگوں سے فون پر اور زبانی کہا ہوگا کہ مسٹر خان از بزی...

ایک سابقہ گریجویٹ اپنے کالج پہنچا تو اس نے وہاں کی کرکٹ ٹیم کے ایک کھلاڑی سے ان کی کارکردگی پر تنقید کرتے ہوئے کہا۔ "جب میں یہاں ہوا کرتا تھا تو میں نے تین سال مسلسل آکسفورڈ کی کیمبرج کو ہرانے میں مدد کی تھی۔"

"واقعی؟" طالب علم نے حیرت سے پوچھا۔ "لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ کون سی ٹیم کی طرف سے کھیلتے تھے؟"

وہ ایک گرم دن تھا۔ کھیل بہت سلو ہو رہا تھا جس کی وجہ سے تماشائی بہت بور ہو رہے تھے۔ بیٹس مینوں نے گزشتہ گھنٹے کے دوران صرف تین رن بنائے تھے۔

دفعتاً گراؤنڈ کے باہر سے کسی کار کے سائلینسر سے ہونے والے دھماکے کی آواز سنائی دی۔

ایک تماشائی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور چیخا۔ "اب ہمیں اپنے گھروں کی طرف چل دینا چاہیے۔ اسکورر نے خودکشی کر لی ہے۔"

شیاطین نے فرشتوں کو کرکٹ میچ کھیلنے کا چیلنج کیا۔

"لیکن سارے کرکٹر تو ہمارے پاس ہیں۔" فرشتوں نے حیرت سے کہا۔

شیاطین بڑی بے نیازی سے بولے۔ "ٹھیک ہے لیکن سارے امپائر ہمارے پاس ہیں۔"

وکٹ کیپر اپنے بارے میں خوش فہمی کا شکار تھا اور کیپٹن کی بات نہیں مانتا تھا۔ "تمہیں معلوم ہے؟" اس نے کہا۔ "دو کھلاڑیوں کو فوراً ٹیم سے نکال باہر کرنا چاہیے۔"

"ہاں، مجھے معلوم ہے۔" کیپٹن سرد لہجے بولا۔ "تم دوسرے کا نام بتاؤ۔"

کرکٹ کے دو عمر رسیدہ کھلاڑی ایک کلب میں محوِ گفتگو تھے۔

"تمہارا سب سے زیادہ اسکور کیا ہے؟"

"ایک سو دس رن ناٹ آؤٹ۔"

"میرا سب سے زیادہ اسکور ایک سو بیس رن ناٹ آؤٹ اور ایک اننگ میں زیادہ سے زیادہ وکٹوں کی تعداد؟"

"اوہ نہیں، اس بار پہلے تم بتاؤ۔"

سوائے چیئرمین کے۔"

"کیا آپ... آپ مجھ سے اے جے خان کی بات کریں گے؟"

اعظم حفیظ نے مسکرا کے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ بات نہ کریں۔"

"وائی... وائی ناٹ؟ کیوں بات نہ کروں۔" ابوالقاسم خان نے ضبط سے کام لیتے ہوئے دوسرا سگریٹ جلایا۔ "میں بات نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ ہی از مائی سن... یہ میرا گھر ہے... اور میں بنک کا سینئر وائس پریذیڈنٹ ہوں جس میں تم گریڈ تھری کے افسر ہو۔ بیشک تم کرکٹ ٹیم کے کپتان ہو لیکن میں تمام کرکٹ افیئرز کا ذمے دار ہوں۔ میں نیا کپتان لا سکتا ہوں۔ اور بنک کے لیے نیا افسر بھی...۔"

"آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں" گھور کے۔" اعظم ایک دم کھڑا ہوگیا۔

"شٹ اپ اینڈ سِٹ ڈاؤن" اے کے خان نے سکون سے کہا۔ "پہلے میری پوری بات سن لو۔"

"آپ کا قیمتی وقت برباد ہو رہا ہے۔" اعظم نے تلخی سے کہا اور پھر بیٹھ گیا۔

"میں یہ سب کرنا نہیں چاہتا۔" وی پی صاحب نے اپنی بات جاری رکھی۔ "کیونکہ اس کے بعد تم کسی دوسرے بنک میں چلے جاؤ گے' میرے خلاف زہر اگلو گے کسی پریس کانفرنس میں اسکینڈل کھڑا کرو گے لیکن اس سے مجھے کیا فرق پڑے گا۔ میری جگہ کوئی دوسرا سینئر وائس پریذیڈنٹ نہیں لے سکتا۔ زیادہ سے زیادہ تمہاری باتوں کے جواب میں یہ کرکٹ ٹیم کے معاملات میں خود کسی اور کے سپرد کر دوں گا اور وہ بھی میرا ہی ساتھی ہوگا۔ اس کے ذریعے بھی میں جس کو چاہوں ٹیم میں شامل کرا لوں گا۔ مگر جیسا کہ میں نے کہا' یہ سب غلط ہوگا۔ ہونا یہ چاہیے کہ تم اپنی ضد چھوڑ دو۔ جس میں صرف ذاتی عناد شامل ہے۔ میں تمہارے لیے بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ کنفرمیشن اور ڈائریکٹ اے وی پی کے عہدے پر پروموشن۔"

"کیا اب میں جا سکتا ہوں؟" اعظم نے کہا۔

"جانے سے پہلے مجھے بتاؤ کہ شام کو میٹنگ میں تمہارا رویہ کیا ہوگا؟"

"وہی جو ٹیم کے بہترین مفاد میں ہوگا۔" اعظم نے کہا۔ "سلیکشن کمیٹی کے ہر ممبر کو اپنی رائے دینے کا حق حاصل ہے۔"

"اس میں صرف تین ارکان ہیں۔ ایک میں یعنی چیئرمین۔" ابوالقاسم خان نے جھنجلا کے کہا۔ "دوسرا وہ جو میری جگہ لینا چاہتا ہے۔ میرا ایک نمبر کا حریف۔ اگر میں کہوں گا کہ یہ دن ہے تو وہ فوراً مخالفت کرے گا کہ یہ رات ہے۔ فیصلہ کن ووٹ صرف تمہارا ہوتا ہے کیونکہ تم کپتان ہو۔"

"اسی لیے میں آپ کی یا دوسرے فریق کی رائے نہیں سنتا۔" اعظم حفیظ بولا۔ "میں اپنی ٹیم کے مفاد کو ذہن میں رکھتا ہوں۔ اسی کے حق میں رائے دیتا ہوں جو ٹیم کے حق میں بہتر ہو... اور آج بھی میں یہی کروں گا۔"

"تم بے جا ضد پر اپنے مستقبل سے کھیل رہے ہو۔ یہ کھیل تمہارے کام نہیں آئے گا اعظم۔" وی پی نے برہمی سے کہا۔ "کل جب تم سے بہتر پلیئر آجائیں گے یا تم اپنی یہ فارم برقرار نہ رکھ سکو گے تو کنفرمیشن ہی تمہارے کام آئے گی۔ آج کی پروموشن سے تمہیں یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ تم آگے... اور آگے بڑھتے جاؤ گے۔ ورنہ اس عہدے پر تو کسی کو بھی کسی وقت لایا جا سکتا ہے... جیسے تم کو لایا گیا تھا... میں بھی وقت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ آج میں یہاں سینئر وائس پریذیڈنٹ ہوں لیکن مجھے اپنے پریذیڈنٹ یا چیئرمین بننے کے امکانات روشن نظر نہیں آتے۔ اس سے پہلے ہی میں ریٹائر ہو جاؤں گا۔ پھر میں اپنے بیٹے کے روشن مستقبل کے لیے وہ سب کچھ کیوں نہ کروں جو سب کرتے ہیں۔"

"کیا سفارش سے روشن ہونے والے مستقبل پر آپ فخر محسوس کریں گے یا آپ کے صاحبزادے کو حقیقی خوشی ملے گی؟"

"دیکھو بیٹے! تم سے زیادہ یہ دنیا ہم نے دیکھی ہے۔ جب تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تو میں اس بنک کی ایک برانچ کا مینجر تھا۔" قاسم خان نے ایک آخری کوشش کی۔ "ہمارے دیکھتے دیکھتے سب کچھ بدل گیا۔ اچھا کیا ہے اور برا کیا... جائز کیا ہے اور ناجائز کیا۔ اب خوشی صرف خوشی ہے۔ حقیقی اور غیر حقیقی کچھ نہیں۔ خوشی صرف پیسہ دیتا ہے اور اختیار دیتا ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اختیار سے پیسا آتا ہے اور پیسے سے اختیار اور پھر ان سے عزت۔ یہ سب کچھ ہو تو خوشی خود ہی مل جاتی ہے۔ خوشی کی تمام اقسام بازار میں برائے فروخت ہیں۔ جیسے کاروں کے یا الیکٹرونکس کے پارٹس جینوئن بھی ملتے ہیں۔ تائیوان کے بنے ہوئے بھی اسمگل کیے ہوئے یا پھر ویسے بھی۔ ایسے ہی جینوئن خوشی بھی ملتی ہے۔ جسے تم حقیقی خوشی کہہ سکتے ہو۔ مالی تفکرات سے آزادی۔ مسائل اور پریشانیوں سے آزادی۔ بیماری بھوک اور افلاس سے آزادی مستقبل کے اندیشوں سے آزادی۔ یہی حقیقی خوشی کے اجزائے ترکیبی ہیں..."

"قاسم خان صاحب! آپ نے زندگی کے تجربات کا نچوڑ پیش کر دیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میری عمر آپ کی مدت ملازمت سے بہت کم ہے لیکن نہ عقل اور شعور کا عمر یا مدت ملازمت سے تعلق ہے اور نہ ذاتی اصولوں کا۔ میں نے ایک ذمے داری قبول کی ہے تو اسے ایمانداری سے پورا کرنے کی خاطر اپنی صلاحیت کا بہترین استعمال کرنا میرے لیے ایک مقدس فریضہ ہے۔ اگر میں ڈنڈی ماروں گا تو فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کا گناہ کروں گا۔ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے نماز پڑھتے وقت میں کسی ایک رکعت میں ایک سجدہ چھوڑ دوں یا رکوع میں "ربنا لک الحمد" نہ کہوں۔ کون دیکھتا ہے اور کون سنتا

ہے۔ سوائے میرے اور خدا کے۔ وہاں میں اپنے آپ سے کس طرح کمپرومائز کرسکتا ہوں کہ میں نے ٹھیک کیا۔ ٹیم کے انتخاب سے لے کر ٹیم کے ساتھ گراؤنڈ میں اترنے اور کھیل کے بعد گراؤنڈ سے باہر آنے تک میں صرف خود کو جوابدہ ہوں۔ مجھے اطمینان ہونا چاہیے کہ میں نے جو کچھ کیا اپنی عقل اور سمجھ بوجھ کے مطابق اچھا کیا۔ میں نے اپنے ساتھ 'گیم کے ساتھ' فریقِ ثانی کے ساتھ اور اپنے مقصد کے ساتھ کوئی بے ایمانی جانتے بوجھتے نہیں کی۔ اپنے اصولوں کی وکٹ پر میں خود امپائر ہوں جو غلطی کرسکتا ہے کیونکہ انسان خطا کار ہے مگر اسے غلطی کرنا نہیں چاہیے۔ ہو جائے تو وہ الگ بات ہے۔ مجھے نہ اس بات کی فکر ہے کہ کس کا مستقبل کس کے ہاتھ میں ہے اور نہ یہ خیال ہے کہ کس کا کس سے کیا رشتہ ہے۔ میرا رشتہ صرف کرکٹ سے ہے اور میرے نزدیک حقیقی خوشی کا مفہوم کرکٹ اس طرح کھیلنے میں ہے کہ کوئی بھی یہ نہ کہہ سکے کہ۔ دس واز ناٹ کرکٹ۔ اب میں چلتا ہوں۔"

ابوالقاسم خان سینئر وائس پریذیڈنٹ احباب بنک لمیٹڈ اور چیئرمین کرکٹ سلیکشن کمیٹی وہیں بیٹھے غصے اور بے بسی کے عالم میں اپنے ہونٹ کاٹتے رہے۔ انھیں اچانک احساس ہوا کہ ان کی یہ اپروچ غلط تھی۔ انھوں نے ایک جوان اور گرم خون رکھنے والے طبعاً انا پرست اور احساسِ برتری کے ردِ عمل کے شکار کھلاڑی کے ساتھ جارحانہ رویہ اختیار کرلیا تھا جبکہ انھیں کامیابی کے دوسرے نسخے پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ تمام عمر وہ اسی نسخے کو استعمال کرتے رہے تھے اور کامیابی کی منزلیں سَر کرتے ہوئے اس مقام تک آ گئے تھے۔ دھن' دھونس اور دھاندلی سے اکثر کام نکل آتے ہیں لیکن جہاں یہ نسخہ نہ چلتا ہو وہاں خوشامد اور چاپلوسی، رشوت اور لالچ..... کا نسخہ آزما لینا چاہیے۔

"بھئی بیٹھو اعظم میاں۔" قاسم خان نے یکلخت اپنا لہجہ یوں بدلا کہ خود انھیں اچھا نہیں لگا "تم تو خفا ہو گئے۔"

"دیکھیے... مجھے پریکٹس پر جانا تھا...!"

"اوہو... چلے جانا... باتوں میں مجھے بالکل یاد نہیں رہا کہ... خیر اب بتاؤ کیا چلے گا؟ چائے کافی یا ٹھنڈا؟" قاسم خان نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا جو چاروں طرف ہر دیوار کے ہر سوئچ بورڈ پر اسی لیے تھا کہ کہیں سے براہِ راست کسی کو طلب کیا جا سکے۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی دیر ہو رہی ہے۔ میرا بھی کسی چیز کا موڈ نہیں۔" اعظم نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے... ٹیم کا کیپٹن بنک کے سینئر وائس پریذیڈنٹ کے گھر سے ایک پیالی چائے پیے بغیر لوٹ جائے۔" قاسم خان مسکرائے۔ "آخر مجھے آنا انٹرٹین منٹ" الاؤنس ملتا کس لیے ہے..." اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسے۔

صبح کے دن ایک مقامی ٹیم کو اچانک پتا چلا کہ ان کا ایک کھلاڑی کم ہے۔ انہوں نے اسپورٹس گڈز کی دکان کے مالک سے کھیلنے کی درخواست کی۔ دکان کے مالک نے یہ سوچ کر ہامی بھر لی کہ انکار کرنا کاروباری اعتبار سے نقصان دہ ہو سکتا ہے حالاں کہ اس نے پہلے کبھی کرکٹ نہیں کھیلی تھی۔ اتفاق سے پہلی گیند کو اس نے اندھا دھند لپیٹا۔ گیند بیٹ پر آ گئی اور تیزی سے باؤنڈری کی طرف گئی۔ نان اسٹرائیکر اینڈ پر کھڑے بیٹس مین نے اُسے پکارا: "بھاگیے جمال صاحب۔"

"تم فکر مت کرو یار۔" دکان دار نے کہا، جو اندر ہی اندر پریشان ہو رہا تھا۔ "میں تم لوگوں کو دوسری گیند دے دوں گا۔"

ایک دیہاتی ٹیم کو میچ کے دن امپائر نہیں ملا تو انہوں نے ایک کسان کو امپائر بنا دیا۔ اس غریب کو کرکٹ کے قوانین سے مطلق واقفیت نہیں تھی۔ تیسری گیند پر بالر اور تمام فیلڈرز نے نہایت پُراعتماد اپیل کی۔ نوزائیدہ امپائر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر جھلا کر بولا "مجھے خاک پتا چلے گا۔ بیٹس مین کی ٹانگ درمیان میں اڑی ہوئی تھی۔"

ایک نوکر دبے پاؤں اندر آیا اور ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو گیا۔

"چائے اور کافی دونوں لے آؤ... اور جو کچھ بھی ہو۔" قاسم خان نے کہا۔ "اور دیکھو بیگم صاحبہ سے کہو کہ وہ ہمارے ساتھ چائے پئیں۔ رانی کہاں ہے؟"

"رانی اور بیگم صاحبہ اوپر اپنے کمرے میں ہیں۔ فلم دیکھ رہی ہیں۔" نوکر نے سچ بیان کر دیا۔

"اُفوہ... یہ لڑکی تو دیوانی ہے کرکٹ کی... اب وڈیو شاپ سے آخری ٹیسٹ میچ کی فلم لے آئی ہے۔ ہمارے ٹی وی سے تو جھلکیاں دکھائی گئی تھیں نا... اس سے تسلی نہیں ہوئی..." قاسم خان نے وضاحت کے انداز میں رانی بیٹی کی عادت اور مزاج کے بارے میں ایک رپورٹ دی جو بالکل ٹی وی کی خصوصی رپورٹ کی طرح تھی۔ نوکر نے تردید نہیں کی کہ وہ جیکی چن کی مار دھاڑ اور مارشل آرٹ کے مظاہروں سے بھرپور فلم دیکھنے میں محو ہے اور اسے آج کے دن میں "فرسٹ بلڈ" پارٹ ون اور ٹو بھی دیکھنا ہیں۔ کالج بند تھے چنانچہ رانی بیٹی "آڈیو وژول ایڈز" (پاپ اسٹیریو میوزک + وی سی آر)

سے عملی زندگی کی تربیت حاصل کر رہی تھی۔

"ارے جاؤ میاں منہ کیا دیکھ رہے ہو احمق۔" ابوالقاسم خان نے ہونق نوکر کو ڈانٹا۔ "رانی بیٹی کو بھی نیچے بھیجو۔ اسے کھو کرکٹ کیا ہم اُسے اصلی کرکٹر دکھاتے ہیں۔ پاکستان کی قومی ٹیم کے افق پر بہت جلد طلوع ہونے والا ستارہ۔"

اعظم حفیظ نے حیرانی سے ابوالقاسم خان کا یہ بدلا ہوا انداز دیکھا۔ آدمی کو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے اس نے پہلے بھی دیکھا تھا مگر اُس کے خیال عام آدمی نہیں وی آئی پی تھا اور خود کو وی آئی پی سمجھتا تھا۔ اس کا مطلب اعظم حفیظ نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ اس کے لیے یہ کوئی انوکھی اسٹریٹجی نہیں تھی۔ وہ خود بھی جب دیکھتا تھا کہ مخالف ٹیم کا کوئی بیٹسمین سب سے خطرناک فاسٹ باؤلر کو اعتماد سے کھیلنے لگا ہے تو وہ فوراً اسپنرز کو لے آتا تھا۔ اسپن باؤلنگ انتہائی جارحانہ اسٹروک کھیلنے والے کو بھی ڈیفنس پر مجبور کر دیتی ہے۔ اسپنر ذہین ہو تو فلائٹ سے بھی بیٹ کر دیتا ہے اور اپنی لینتھ ایسی رکھتا ہے کہ بیٹسمین فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اگلی بال پر اُسے پیچھے ہٹ کر اور وکٹیں کور کر کے کھیلنا چاہیے یا ایک قدم آگے بڑھا کے۔ پھر اسپنر کی بال کے بارے میں کون جانتا ہے کہ اگلی بال کتنا ٹرن لے گی اور وکٹ کور کرنے کے چکر میں ایل بی ڈبلیو تو نہیں کر دے گی۔ گگلی ہو گی یا چائنا مین۔ چنانچہ اعظم جو اب تک قاسم خان کا اعتماد کے ساتھ مقابلہ کر رہا تھا اب محتاط ہونے پر اسی لیے مجبور تھا کہ رانی بیٹی اور وائس پریذیڈنٹ کی بیوی دونوں بلاگر خطرناک اسپنر کی طرح تھیں۔ رانی کو اس نے پہلے بھی دیکھا تھا۔ اس کا حسن و شباب اور اس کے ناز و انداز کسی طرح بھی عبدالقادر جیسے ورلڈ کلاس لیگ اسپنر کی باؤلنگ سے کم خطرناک نہ تھے اور رانی کی ماں، وہ کسی جانبدار امپائر کی طرح جیت کو ہار میں بدل دینے کی زبردست صلاحیت رکھتی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ ابوالقاسم خان اسی کی وجہ سے اب تک بنکنگ کریز پر تھے۔

ابوالقاسم خان شاید سمجھ گئے تھے کہ اعظم حفیظ ڈیفنسیو ہو گیا ہے اور ان کو احساس ہونے لگا تھا کہ اس طرح انھوں نے خود اپنی نظر میں اپنی عزت کو گراؤنڈ میں اتار دیا ہے۔ اعظم حفیظ جیسے منجھے ہوئے بیٹسمین سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ چوکے چھکے مار کے ان کی آبرو کو باؤنڈری کے پار تماشا دیکھنے والوں کے سامنے بے وقعت کر دے مگر انھیں کچھ نہ کچھ تو منظور کرنا تھا۔ وہ آج تک اپنی انا کے آئینے کو اس چھوکرے سے بچاتے آئے تھے جو انہی کے بنک کے ایک معمولی چپراسی کا بیٹا تھا۔ آج یہ کیسے ممکن تھا کہ وہی یتیم اور لاوارث لڑکا ان کے مقابل کھڑا ہو جائے اور ان کو نیچا دکھانے کی کوشش کرے جو کل تک ان کے نوکروں سے بچی کھچی روٹی مانگ کے کھاتا تھا۔ پھٹے کپڑوں میں پھرتا تھا۔ سرکاری اسکول میں فرشِ خاک پر بیٹھ کے پڑھتا تھا اور گلی کوچوں میں پھرتا تھا کہ کوئی لونڈوں کی ٹیم اسے پانچ دس روپے دے کر کھلانے کے لیے لے جائے کسی بھی دھول مٹی کے میدان میں یا کوڑے کرکٹ سے بھرے ہوئے پارک میں۔ پانچ دس روپے میں گلی بازار کے ٹورنامنٹ میں جیت کی ضمانت دینے والا آج اس سے اصول پرستی کی بات کرتا ہے۔ اپنے ناقابلِ فروخت ہونے کی بات کرتا ہے اور کرکٹ کے کھیل کی اسپرٹ کی بات کرتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اعظم حفیظ ان سے انتقام لے رہا ہے؟ جبّار سے پرانے بدلے چکا رہا ہے۔ وہ اپنی ہر ہار کا بدلہ انھیں ہر محاذ پر رننگ کی شکست دے کر لینا چاہتا ہے مگر یہ دل اور دماغ کا مقابلہ تھا۔ اعظم حفیظ کے پاس جوانی کی عاقبت نااندیش سرکشی تھی۔ اپنی پرواز سے ہفت افلاک کو تسخیر کر لینے کا جنون تھا۔ اور یہ خام خیالی تھی کہ طاقتِ پرواز ہو اور پر آزاد ہوں تو خواہش کے کسی افق کی حد نہیں آتی۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ اڑنے والے کو ہوا کا رُخ بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ مخالف آندھیوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور تقدیر کا بھی جو ایک صیاد ہے۔ ابوالقاسم خان کے پاس تجربہ تھا اور دوربیں نگاہیں تھیں جو حالات اور وقت کے نشیب و فراز کو دیکھ چکی تھیں۔ کرکٹ بھی اب وہ کرکٹ کہاں تھی جو دو سو سال تک ایک روایتی اسپرٹ میں کھیلی گئی تھی۔ پانچ پانچ اور چھ چھ دن کے بے نتیجہ ٹیسٹ میچ غیر اہم ہو گئے تھے۔ یہ فاسٹ فوڈ اور کمپیوٹر کا دور تھا چنانچہ ہمبرگر اور ون ڈے کرکٹ نئی نسل کا تقاضا تھے۔ ایشیز اور ربر جیتنا غیر اہم ہو گیا تھا۔ سب سے اہم پبلک کا انٹرسٹ تھا جس سے گیٹ منی آتی تھی۔ اسپانسرز اہم تھے جو مین آف دی میچ اور مین آف دی سیریز کو ہزاروں ڈالر کے یا ہزاروں پاؤنڈ کے نقد انعامات، کاریں اور تحائف دیتے تھے۔ کرکٹرز اب دولت مند تھے اور پبلک میں فلم اسٹاروں سے زیادہ پاپولر تھے۔ امپائروں پر کھلی تنقید ہوتی تھی اور ہوم ٹیم اپنی مرضی سے اپنے فائدے کی وکٹ بنواتی تھی۔ انگریز تو بابائے کرکٹ تھے اور کہتے تھے کہ "دس از ناٹ کرکٹ" کا مطلب ہے ایک غیر اصولی اور غیر اخلاقی حرکت۔ وہی اب عمران خان کی ٹیم سے اتنے خائف تھے کہ انھوں نے شکست سے بچنے کے لیے سلو وکٹ بنوائی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ عمران نے پھر بھی عمران ہونے کا ثبوت دیا۔ اور متعصب برٹش پریس بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ انگلستان اور پاکستان میں فرق صرف عمران کا ہے۔

اعظم کی بات نے انھیں چونکا دیا۔ "اوہ... مجھے بہت دیر ہو رہی ہے۔"

"دیر... ہاں... دیر تو ہو گئی ہے مجھے بھی۔" انھوں نے پھر گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ان کی بیگم صاعقہ خود چائے کی ٹرالی کو یوں دھکیلتی ہوئی آئیں کہ تھوڑا سا کھلنے سے ان کے

شانوں تک تراشے ہوئے براؤن سلک جیسے بالوں نے ان کے آدھے چہرے پر سایہ کرلیا اور ان کی ساری کا پلّو ڈھلک کے ان کے ہاتھ پر آگیا۔ اعظم تو تعظیم کے لیے اُٹھا تھا مگر اسے اوپن کٹ بلاؤز سے نظر چُرا کے فوراً بیٹھنا پڑا۔ صاعقہ اب بھی وہ بجلی تھی جو کسی کے بھی خرمنِ عقل و ہوش پر گر کے اُسے خاکستر کرسکتی تھی۔ چالیس سال کی عمر میں وہ مشکل سے تیس کی لگتی تھی۔ پچیس سال کی نظر آنے کے لیے کوشاں رہتی تھی اور بیس سال کی بیٹی کی بڑی بہن سمجھی جاتی تھی تو ابوالقاسم خان اسے زیادہ بوڑھے اور اپنے باپ کے برابر لگتے تھے حالانکہ شادی کے وقت یہ فرق صرف دس سال کا تھا۔ پھر یہ کہ ابوالقاسم خان نے خود بھی وقت کے آگے سپر ڈال دی تھی۔ اب وہ سوٹ بھی مجبوراً پہنتے تھے مگر اس طرح کہ ولایتی شلوار قمیص ہی لگتا تھا۔ وہ اپنی توند کی طرف سے بے پروا تھے۔ اقلیں گنجے ہونے کی پریشانی تو کیا فکر تک نہ تھی۔ وہ اپنے اسٹیٹس۔ کوٹھی۔ ایئرکنڈیشنڈ آفس اور کار۔ اور اپنے آثاثوں پر فخر کرتے تھے۔ حالانکہ اس میں بھی صرف ان کے لیے فخر کی بات نہیں تھی۔ صاعقہ نے انھیں قبول نہ کیا ہوتا تو وہ بینک میں سے براہِ راست افسر نہ لیے جاتے اور کلرک بھرتی ہوتے تو شاید ریٹائر ہوتے وقت اے وی پی ہو جاتے۔ بشرطیکہ تقدیر اچھی ہوتی۔

"بھئی صاعقہ! اسے تو جانتی ہو نا تم؟" قاسم خان بولے۔

"یہ... ہاں۔" صاعقہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ "غالباً اعظم حفیظ ہے۔"

"آپ نے ٹھیک پہچانا۔" قاسم خان خوش ہوئے حالانکہ اس سے پہلے تین بار اعظم کو صاعقہ نے اپنے گھر میں دیکھا تھا۔ گراؤنڈ میں تو نہ جانے کتنی بار دیکھا ہوگا۔ مگر شناسائی کا یہ انداز زیادہ دلکشی رکھتا تھا۔

"رانی بیٹی کہاں ہے... ابھی تک..." قاسم خان کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ان کی رانی بیٹی یوں آئی کہ جیسے اس کا آنا قیامت کے آنے سے کم نہ ہو اور اب تک اردو شاعری میں جو کچھ 'ان' کے آنے پر کہا گیا ہے، سب اسی کے لیے تھا۔ وہ آئی... اس نے دیکھا اور اس نے تسخیر کرلیا۔ رانی اسی شان کا اظہار کرتی آئی تھی اور حالات اگر موافق ہوتے تو اعظم حفیظ یقیناً تسخیر ہو جانے پر بھی ناز کرتا۔ اس کے پیکرِ رعنائی پر مصوّر ایک آرٹ گیلری سجا سکتا تھا اور شاعر ایک دیوان رقم کرسکتا تھا مگر اعظم حفیظ کے ذہن میں صرف کرکٹ کے استعارے آتے تھے — اسے وہ جاوید میانداد کا ڈبل سنچری لگی... خوب صورت... دلکش... پاور فل... ریفائنڈ...

"اچھا ہوا تم بھی آگئیں... میاں اعظم... یہ ہماری ایک ہی بیٹی ہے رعنا... مگر ہم سب اسے رانی کہتے ہیں۔" ابوالقاسم خان نے کہا۔

"کیا آپ کو یاد ہے کہ مجھے سب بچپن میں راجہ کہتے تھے۔" اعظم حفیظ نے ماضی کے زہر میں ڈوبا ہوا نشتر بروقت نکالا اور قاسم کے جملے کو کاٹ دیا۔

ابوالقاسم خان کا رنگ ذرا سی دیر کے لیے فق ہوا۔ "اچھا... مجھے یاد نہیں... غالباً اس لیے کہ تمہارا کھیل کچھ وسیم راجہ سے ملتا تھا؟"

مقامی کرکٹ ٹیم نے اپنا بدترین سیزن کھیلا۔ وہ جتنے میچ کھیلی، تمام کے تمام ہار گئی۔ کاؤنٹی کی انتظامیہ نے ان سے جان چھڑانے کی ٹھان لی۔

میچ کے دن ایک تماشائی ٹکٹوں والی کھڑکی پر پہنچا۔ "پلیز، مجھے دو دیجیے۔" اُس نے کہا۔

"بسر و چشم جناب۔" کلرک نے کہا۔ "یہ فرمایئے، باؤلر لیں گے یا بیٹس مین؟"

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

ایک بیٹس مین مقامی ٹیم میں شامل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مقامی ٹیم کے کپتان نے اس سے پوچھا۔ "تمہیں بیٹنگ کا تجربہ بھی ہے؟"

"جی ہاں، ہے تو سہی۔ ایک بار میں کولن کاؤڈرے کے ساتھ کھیل چکا ہوں۔"

"اچھا... واقعی؟"

"جی ہاں، مجھے کھیلنے کے بعد پتا چلا کہ وہ کون ہے۔ اس نے کھیل کے بعد مجھ سے کہا... اگر تم بیٹس مین ہو تو میں کولن کاؤڈرے ہوں۔"

نیا بیٹس مین ایک ہی اوور میں تیسری بار محض اپنی خوش قسمتی کے باعث آؤٹ ہونے سے بچا تھا۔ وہ وکٹ کیپر سے بولا۔ "مجھ سے زیادہ خراب کھلاڑی تو ہوتے ہی نہ ہوں گے۔"

"یقیناً ہوتے ہوں گے۔" وکٹ کیپر نے کہا۔ "مگر وہ کرکٹ نہیں کھیلتے۔"

"جی نہیں... اس لیے کہ میں جھونپڑی میں پیدا ہوا تھا یعنی جھگی میں۔" اعظم نے کہا۔ "اور پھر بھی لڑکے مجھ سے ڈرتے تھے۔ میں ہاتھ پیر کا ذرا مضبوط تھا... چنانچہ سب کو دبا کے رکھتا تھا۔ ایک بار سب نے مل کے مجھے مارا تھا، اُن میں آپ کا جبّار بھی تھا۔ مگر بعد میں ایک ایک کر کے سب کی پٹائی کی تھی میں نے۔"

"چھوڑو بھئی... وہ سب پرانی باتیں بھول جاؤ۔" صاعقہ نے مسکرا کے اس کی طرف پلیٹ بڑھائی اور یوں ایک ناخوش گوار وقفے کو ٹال دیا۔

"اب تو یہ فیوچر کا ٹیسٹ اسٹار ہے۔" ابوالقاسم خان سنبھل کے مسکرائے۔

"آپ سمجھتے ہیں ایسا؟" اعظم نے انکسار کا رسمی اظہار کیا اور صاعقہ سے پلیٹ لے لی۔ اپنی نظر اس نے ٹرالی پر رکھی جس میں مٹھائی، کیک پیس اور ہنٹر بیف کے تلے ہوئے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک پیس اٹھالیا۔

"اس میں کسی کو شک نہیں۔" قاسم نے کہا اور غور سے ڈبل اسپن ایکشن کے مقابل اعظم کو نزدیک دیکھ کے محظوظ ہوا۔ "آج تم ہماری ٹیم کے کپتان ہو۔ تم پاکستان کو بھی لیڈ کرو گے ایک دن۔"

"اوہ ریلی ڈیڈی!" رانی نے تقریباً چیخ مار کے اپنی مسرت کا اظہار کیا اور دونوں ہاتھوں کو یوں دبالیا جیسے ان میں اعظم کے جواب کو اسیر کر لیا ہو۔ رانی کو کرکٹ سے اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی کرکٹرز سے تھی... اوہ ڈیئر... کیا گلیمر ہے ان کی لائف میں۔ عمران کی تو خیر بات ہی جدا ہے۔ ہی از اے لیڈی کلر لیکن دوسرے بھی کیا کم ہیں۔ وسیم اکرم... راجہ... ملک... میاں داد۔ وہ بے حد مسحور بیٹھی اعظم کو دیکھتی رہی چشم تصور سے اسے آٹو گراف لینے والوں کے ہجوم میں گھرا ہوا۔ پویلین سے نکلتا ہوا، چوکے اور چھکے لگاتا ہوا دیکھتی رہی۔ اس کے کانوں میں عمر قریشی، افتخار احمد اور حسن جلیل کی آواز آتی رہی: "اعظم... انگلستان کے خلاف اپنی پہلی ٹیسٹ سنچری سے صرف چار رن کے فاصلے پر... فوسٹر آئے... مڑے... اب وہ دوڑتے ہوئے باؤلنگ کرانے کے لیے جا رہے ہیں... اور... اور یہ چھکا... بہت ہی خوب صورت شاٹ... اعظم آگے آئے انھوں نے فورسٹر کی تھوڑی سی شارٹ بال کو ہاف والی بناتے ہوئے مڈ آن کی طرف ڈرائیو کر دیا اور بال یہاں ہمارے سکنڈری باکس کے نیچے آکے گری ہے۔ اعظم اب تماشائیوں کی پرجوش تالیوں کا جواب دے رہے ہیں۔ تمام تماشائی کھڑے ہو گئے ہیں۔ اعظم نے اپنا ہیٹ ان کی طرف اٹھایا ہے۔ بلاشبہ ان کی یہ انتہائی خوب صورت سنچری تھی جس میں انھوں نے گیارہ چوکے اور چار چھکے مارے اور ابھی ابھی انھوں نے اپنی سنچری بھی ایک چھکا لگا کے پوری کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی..."

اعظم نے گھبرا کر پلیٹ رکھ دی۔ صاعقہ اُسے چائے پیش کر رہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر سے اس کے سامنے رکوع کی حالت میں تھی... اور وہ!... اف... مارے اپنی بدتہذیبی کے مظاہرے پر پسینہ آگیا... صاعقہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ صاف کہتی تھی، کوئی بات نہیں نوجوان... یہ تو ہوتا ہے۔ ناتجربہ کار ملاح جب طوفانی سمندروں میں اترنے کی سوچتے ہیں تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ اس نے کن انکھیوں سے رانی کی طرف دیکھا۔ رانی اُسے پلکیں جھپکائے بغیر دیکھ رہی تھی۔ اعظم کی شخصیت کا چارم ایسا ہی تھا جیسے چودھویں کے چاند کی کشش جو سمندروں میں مدوجزر اٹھاتی ہے۔ خود اعظم بھی یہ بات جانتا تھا کہ لڑکیاں کتنی جلدی اس سے متاثر ہوتی ہیں۔ اب یہ ان کے ماحول اور مزاج کی بات ہوتی ہے کہ متاثر ہونے کے بعد وہ صرف آٹو گراف مانگتی ہیں۔ تصویر مانگتی ہیں یا ملاقات کا وقت... لیکن آج تک کوئی لڑکی اس سے کچھ بھی نہ پاسکی تھی۔ صرف ایک لڑکی تھی جس نے سب کچھ پہلے ہی اپنے تصرف میں لے لیا تھا۔ اس کا دل و دماغ، اس کے خیالات و احساسات۔ جذبات اور تصورات سب پر وہی ایک لڑکی حکمراں تھی اور کوئی لڑکی اس کا تختہ نہیں الٹ سکی تھی۔

ابوالقاسم خان اپنی کامیابی پر بے حد مسرور تھے۔ وہ ایک دم اُٹھے "میں ابھی آتا ہوں... ایک منٹ میں۔" انھوں نے کہا۔ وہ دوسرے کمرے سے اپنا بریف کیس اُٹھا کے باہر آئے۔ شوفر نے ان کے لیے دروازہ کھولا۔ کار خاموشی سے سرسراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"آپ کا میچ اب کس دن ہے؟" اندر رانی نے کہا۔

"جی... کل..." اعظم نے جلدی جلدی چائے ختم کی۔ "سیمی فائنل ہے۔"

"اچھا! تو آپ مجھے لے چلیں گے؟" رانی نے معصومیت سے کہا۔

"آپ کو... آپ کو منع کون کر سکتا ہے؟" اعظم نے کہا۔ "آپ کے ڈیڈی...!"

"ڈیڈی سے۔" رانی نے ایک ادا سے سر ہلایا اور اس کے بالوں کی گھٹا پھیل کے سمٹ گئی۔ "میں تو پلیئرز انکلوژر میں جاؤں گی۔ آپ میرے ساتھ چلیں نا... میری گاڑی میں..."

"لیکن دیکھیے میں بہت پہلے گراؤنڈ میں پہنچ جاتا ہوں۔" اعظم نے کہا۔ "آپ وہاں آجائیں... میں آپ کو پلیئرز انکلوژر میں لے جاؤں گا۔"

"مجھے انٹروڈیوس بھی کرائیں گے... سب سے؟" رانی نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا اور مسکرائی۔ ماں کا سارا حسن اس کو ورثے میں ملا تھا۔ شباب کے آغاز کی تازگی اور شگفتگی کے ساتھ ادائے حسن کی معصومیت نے اس کو ایک مہلک تابکاری عطا کر دی تھی۔ صاعقہ آگ تھی... جلا کے بھسم کر دینے والی اور رانی

کا سحر چاندنی کی طرح تھا۔ ٹھنڈا اور پُرسکون اجالا۔ آہستہ آہستہ جادو جگانے والا... قائم رہنے والا۔ اعظم دونوں طرف سے محصور تھا۔ اسے یوں لگا جیسے ایک سازش کے تحت ابوالقاسم خان نے اپنی بیوی اور بیٹی کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔ آدمی موت سے بھی لڑ سکتا ہے لیکن کسی عورت کے حسن سے اور اس کے شباب کی کشش سے کیسے لڑ سکتا ہے۔

یکلخت اعظم کو ماں بیٹی کے ناز و انداز اور حسن و رعنائی میں وہی بدصورتی محسوس ہوئی جو کسی طوائف میں نظر آتی ہے۔ اُسے ابوالقاسم خان پر غصہ آنے لگا۔ وہ خود بات نہیں کر سکتا تھا؟ مجھے ان خوب صورت بلاؤں کے سپرد کر گیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ میں ان کی مان لوں گا۔ ایک کہے گی میرے بھتیا کو ٹیم میں شامل کرلو نا ڈارلنگ... پلیز... دوسری کہے گی "کرلو نا اعظم... دیکھو رانی کتنے پیار سے کہہ رہی ہے۔ چلو میری خاطر ہی مان جاؤ۔ ڈھلکا ہوا آنچل... خوشبو... آگ اور چاندنی... نہیں... اعظم ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"ابوالقاسم خان کہاں ہیں؟" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"پاپا... وہ تو گئے آفس..." رانی نے ہنس کے کہا۔ اس کی ہنسی ساکت تالاب میں کنکر جیسی تھی کہ ایک لہر اس کے وجود سے گزری اور پھر اس لہر سے کئی لہروں نے جنم لیا۔ چاندنی سطحِ آب پر لرزنے لگی۔ اتو کی بچی نے مردانہ قمیص پہنی ہے اور اوپر سے پتلون۔ کیا باپ دیکھتا نہیں کہ...

"تم کو کیا جلدی ہے۔ میچ تو کل ہے؟" صاعقہ نے کہا۔

رانی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔"

"آئی ایم سوری۔" اعظم نے درشتی سے کہا۔ "میرے پاس فضول باتوں کے لیے بالکل وقت نہیں ہے۔ اور میچ تو کل ہے مگر کل تک مجھے ٹیم کے ساتھ پریکٹس کرنا ہے۔ قاسم خان مجھے دھوکا دے کر نکل گیا۔" اعظم ایک بگولے کی طرح دروازے کی طرف بڑھا۔ اُسے تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی کہ بالآخر وہ ایک حوصلہ شکن اور سخت جواب دینے میں کامیاب ہوا۔ اب اسے کوئی بدتمیز، جاہل یا جنگلی... کچھ بھی کہے۔ رانی کا چہرہ خفت سے زرد ہوا اور پھر غصے سے لال ہو گیا۔

"آخر یہ... خود کو سمجھتا کیا ہے۔" رانی نے پیر پٹخ کے کہا۔ "میں ڈیڈی سے کہوں گی کہ اس کو ٹیم سے نکال دیں... بلکہ بینک سے نکال دیں۔"

"کم آن ڈارلنگ۔" صاعقہ نے بھی بھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم ابھی ناسمجھ ہو۔ یہ جو مرد خود کو بہت ناقابلِ تسخیر سمجھتے ہیں نا یہ اندر سے شکست خوردہ ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ لوہے کا سریا مڑ جاتا ہے اسٹیل کی تپی مڑتی نہیں۔ پٹخ سے ٹوٹ جاتی ہے۔"
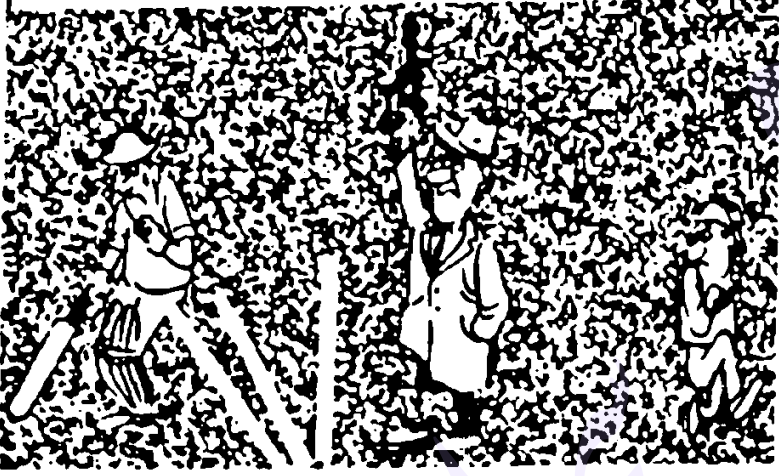
"ممی میں کل نہیں جاؤں گی... ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"تم کو جانا ہے... اور جانا پڑے گا۔ دیٹ از واٹ یور ڈیڈی وانٹس فرام یو۔" صاعقہ نے کہا۔ "یہ جبار کے فیوچر کا معاملہ ہے؟"

اعظم کی موٹر سائیکل ڈرائیو وے کے ایک کنارے پر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ پورچ سے آ رہا ہی تھا کہ اس نے جبار کو اپنی موٹر سائیکل پر آتے اور وہیں رکتے ہوئے دیکھا۔ وہ اعظم کو دیکھ کے خوشامدانہ انداز میں مسکرایا۔ "اعظم صاحب! آئی ایم سوری... مجھے پاپا نے ایک کام سے بھیج دیا تھا۔ آپ جا رہے ہیں کیا؟"

"ہاں، کیا ہم کل کا میچ بغیر پریکٹس کے کھیلیں گے۔" اعظم بولا۔

"پاپا سے ٹیم کے بارے میں بات ہوئی؟" جبار نے کہا۔

"ہوئی... اور شام کو پھر ہوگی؟" اعظم نے موٹر سائیکل کو کک ماری۔

"ٹیم فائنل ہوگئی؟" جبار نے موٹر سائیکل کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تقریباً۔" اعظم نے کہا۔ "میرا خیال ہے تبدیلی کوئی نہیں ہوگی۔"

"ایک دو پلیئرز کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ وہ اَن فٹ ہیں۔" جبار نے ناامید ہوئے بغیر کہا۔ اس کو معلوم تھا کہ پاپا نے اعظم کو کیوں بلایا تھا۔

"اگر ایک پلیئر اَن فٹ ہوگا تو دوسرا اس کی جگہ لے گا۔ کھلاڑی تو پورے گیارہ کھیلیں گے۔" اعظم نے کہا۔

"کیا گیارھواں کھلاڑی میں نہیں ہو سکتا؟" جبار نے بے خوفی سے کہا۔

"تم کو ایک لطیفہ سناؤں۔" اعظم نے موٹر سائیکل کو رواں رکھا۔ "کسی میراثی نے اپنی ماں سے سوال کیا تھا کہ نمبردار مر گیا تو کون نمبردار ہوگا۔ ماں نے کہا کہ اس کا بیٹا نمبردار ہوگا۔ میراثی نے ایک ایک

کر کے نمبردار کے سارے خاندان کے ہر فرد کے بارے میں پوچھا کہ وہ نہ رہا تو نمبردار کون ہوگا۔ تنگ آ کے ماں نے کہا کہ بیٹا... تو مت فکر کر، سارا خاندان مر جائے تب بھی تو نمبردار نہیں ہوگا۔ چنانچہ جبار میاں! تمھارا اور اس میراثی کا ایک ہی کیس ہے۔"

احساسِ ذلت سے جبار کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اگر یہ اس کے اپنے مستقبل کا سوال نہ ہوتا تو وہ مار مار کے اعظم کا حلیہ بگاڑ دیتا۔ اس کے باپ نے اسے سخت تاکید کی تھی کہ وہ بالکل دخل در معقولات نہ کرے... وہ خود ہی ٹھیک کر لے گا۔ اس لیے جبار اس بےعزتی کو پی گیا۔

"تمھارا مطلب ہے... کہ ٹیم کے سارے ممبر اَن فٹ ہو جائیں تب بھی میرا کوئی چانس نہیں، تم دوسرے گیارہ کھلاڑی رکھ لوگے مگر ان میں بھی گیارھواں کھلاڑی مجھے نہیں رکھوگے؟" وہ زبردستی مسکرایا "اب میں اتنا بھی بُرا نہیں کھیلتا۔"

"میں نے بھی ایک لطیفہ سنایا تھا۔" اعظم بولا۔ "بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ساری ٹیم اَن فٹ ہو جائے۔ تم ایک مفروضے پر بات کر رہے ہو۔"

"ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا۔" جبار زبردستی بےتکلفی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ "آج رات جیمخانہ میں ڈنر ہے۔ فوڈ پوائزننگ ہو جائے...؟"

اعظم قہقہہ مار کے ہنسا۔ "اگر تم جیمخانہ کے ویٹر ہوتے تو یہ اندیشہ تھا مگر اس صورت میں میچ ملتوی ہو جاتا۔ خدا حافظ۔" اس نے موٹر سائیکل کو گیئر میں ڈالا۔ دو گز کے نصف دائرے میں موڑا اور ہاتھ ہلا کے لہراتا ہوا نکل گیا۔

"دی اگلی باسٹرڈ۔" جبار نے اندر آ کے اس کتے کو لات ماری جو اس کی راہ میں حائل ہوگیا تھا۔ جیسے وہ اعظم ہو۔ "میں اسے تباہ کر دوں گا۔ آئی ول بلاسٹ ہم۔"

"جبار! پاپا نے کیا کہا تھا؟" صاعقہ نے اُسے تنبیہ کی۔ "اپنا کیس خراب مت کرو۔ ہم سب تمھارے لیے کوشش کر رہے ہیں۔"

"خاک کوشش کر رہے ہیں آپ کو معلوم ہے ابھی اس نے مجھ سے کیا کہا ہے؟" جبار پھنکار کے بولا۔ "اس نے کہا کہ اگر دس آدمی اَن فٹ ہو جائیں تو وہ دس لڑکے ٹیم میں شامل کر سکتا ہے، سوائے میرے۔ گیارھواں کھلاڑی میں نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ ہے ایسا ہی ہوگا ممی۔ یہ پاپا کی غلطی تھی کہ وہ اعظم کو آگے لائے اور اسے کپتان بنا دیا۔ اس سے سینئر پلیئر موجود تھے مگر پاپا نے کہا کہ وہ میرٹ کو بنیاد سمجھتے ہیں۔ اب دیکھ لیں اس کا نتیجہ کہ ان کا بچہ جمورا بھی یہی کہتا ہے اور صاف کہتا ہے کہ ایک ایک کر کے سارے کھلاڑی الگ کرنے پڑیں تو وہ ان کی جگہ گیارھواں کھلاڑی میرٹ پر لائے گا مگر میرٹ پر میں گیارھواں کھلاڑی کبھی نہیں بنوں گا۔ کتنا ڈھیٹ گرینڈ کر رہا ہے وہ مجھے... جانتے ہو بھتے۔"

"حوصلے اور صبر سے کام لو... ایک میچ یا ایک ٹورنامنٹ نکل جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمھاری عمر تو نہیں نکلی جا رہی۔" صاعقہ نے کہا۔ "ابھی ہمارے ترکش میں کتنے تیر ہیں... یہ اعظم نہیں جانتا۔ تم پریکٹس کے لیے جاؤ۔"

اعظم گراؤنڈ میں پہنچنے تک سب کچھ بھول گیا تھا۔ ابوالقاسم خان کی دھمکی کو، رشوت کی پیش کش کو، صاعقہ کی برق سامانی کو۔ پینٹ شرٹ سے جھلکتی رانی کو، جبار کے ردِعمل کو۔ اس نے سارا دن پریکٹس میں ایک ایک پلیئر کی انفرادی اور اجتماعی کارکردگی پر نظر رکھی۔ کوئی آؤٹ آف فارم نہیں تھا۔ کوئی بھی اسے آف کلر نہیں لگا۔ انھی لڑکوں نے ٹیم کو سیمی فائنل تک پہنچانے کے لیے سخت فائٹ دی تھی۔ یہ سب اس انعام کے مستحق بہرحال تھے کہ انھیں ایک اور موقع دیا جائے۔ ان کو سیمی فائنل سے کسی وجہ کے بغیر ڈراپ کرنا ان کا مورال خراب کر سکتا تھا۔ ہاں سیمی فائنل میں ناقص کارکردگی کی بنیاد پر فائنل کے لیے فٹ نہ سمجھا جاتا تو وہ بعد کی بات تھی۔ فائنل میں رسک نہیں لیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہی ٹیم فائنل تک پہنچ جائے تو پھر اس ٹیم اسپرٹ کو برقرار رکھنا اشد ضروری ہوگا۔ اس میں ایک بھی تبدیلی سے وہ توازن بگڑ سکتا تھا جس کے بغیر ٹیم نہیں بنتی۔ گیارہ کھلاڑیوں کو یکجا کر دینے سے ٹیم بن سکتی تو پاکستان نے بہت پہلے بھارت کو بھارت کی سرزمین پر اور انگلینڈ کو انگلینڈ میں سیریز جیت کر شکست دے دی ہوتی۔ اس ٹیم میں ٹیم اسپرٹ تھی جو عمران خان نے پیدا کی تھی۔ عمران خان ایک آدمی تھا۔ اعظم حفیظ بھی ایک آدمی تھا۔ اس نے دیکھا اور سُنا تھا کہ ایک ٹیم لیڈر کی حیثیت سے دنیا اس وقت عمران خان کو عظیم ترین کپتانوں میں شمار کر رہی ہے۔ وہ خود ابھی بہت نچلی سطح پر تھا مگر وہ خود کو ایک ٹیم لیڈر ثابت کر سکتا تھا جو ٹیم اسپرٹ سے فائنل جیت لے۔

کُل سولہ پلیئرز نیٹ پریکٹس میں حصہ لے رہے تھے۔ جہاں سیمی فائنل تک پہنچانے والی ٹیم کے پلیئرز بجا طور پر امید رکھتے تھے کہ وہ سیمی فائنل کھیلنے کے مستحق ہیں وہاں باقی پانچ پلیئرز پوری کوشش کر رہے تھے کہ اپنی کارکردگی کو بہتر ثابت کریں۔ ان میں سے دو نے اعظم کو امپریس بھی کیا۔ ایک میڈیم فاسٹ باؤلر کی لائن اور لینتھ بہت اچھی تھی اور اس کی بال سوئنگ بھی لے رہی تھی۔ دوسرا بیٹسمین ایک اینڈ سے اوپن کرتا تو شاید رن ریٹ بڑھا دیتا۔ لیکن ساری بات وہی توازن کی تھی۔ وہ اُنیس بیس کے فرق کی خاطر تبدیلی کا رسک مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ جبار کی بیٹنگ میں کوئی بہتری کے آثار نہ تھے۔ وہ لیگ سائڈ پر ہمیشہ سے ویک تھا۔ شارٹ اور باہر جاتے والی بال جسے آسانی سے پوائنٹ باؤنڈری پر پہنچایا جا سکتا تھا اسے وہ بہت لیٹ چھوڑتا تھا۔ رائزنگ بال کو ہمیشہ غلط ہِٹ کرتا تھا اور عموماً اسکوئر لیگ پر کیچ اُچھال دیتا تھا۔ یہ عناد کی نہیں، ایمانداری

کی بات تھی کہ اسے دس پلیئرز کے بعد باقی چھ میں سے گیارھواں کھلاڑی لینا پڑتا تو جبار گیارھواں کھلاڑی صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب باقی پانچ ان فٹ ہو جائیں یا کھیلنے سے انکار کر دیں۔ شام کو فائنل سلیکشن کی میٹنگ میں شرکت کے لیے پہنچنے سے قبل ہی اعظم حفیظ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ ٹیم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

میٹنگ ابوالقاسم خان کے آفس میں ہوئی جو ایک وسیع ایئرکنڈیشنڈ ہال تھا۔ دروازے کے بالکل سامنے ان کی بہت بڑی، پالش سے چمکتی ہوئی میز تھی جس کی شکل کچھ انسانی گردے سے ملتی جلتی تھی۔ اس کے پیچھے ابوالقاسم خان یوں بیٹھتے تھے کہ باقی دس کرسیاں ان کے سامنے ایک ہی فاصلے پر نصف دائرے میں رہیں اور وہ اٹھ کر بہت زیادہ جھکے بغیر ہر ملاقاتی سے مصافحہ کر سکیں۔ ان کے بالکل پیچھے چھت سے فرش تک پہنچنے والے پردے تھے جو اس وقت ہٹا دیے گئے تھے چنانچہ نیچے سڑک کی تمام ساکت اور متحرک روشنیوں کا پورا منظر نظر آتا تھا۔ دائیں ہاتھ کی دیوار پر ایک بہت مشہور مصور کا بنایا ہوا میورل پھیلا ہوا تھا۔ بائیں جانب دو صوفہ سیٹ تھے اور چار پنکھڑیوں والے پھول کے ڈیزائن کی گلاس ٹاپ سینٹر ٹیبل تھی۔

"تم ہاتھ منہ دھو کے فریش اپ ہو جاؤ۔" ابوالقاسم خان نے گرد اور پسینے میں ڈوبے ہوئے اعظم حفیظ کو دیکھ کر باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔

"ایسے ہی ٹھیک ہے۔" اعظم نے کہا اور صوفے پر گر گیا۔

"تم پریکٹس سے آ رہے ہو۔" کمیٹی کے دوسرے رکن فاروق ضمیر صاحب نے مسکرا کے کہا۔ "کیا صورت حال ہے؟"

"آئی وانٹ نو چینج۔" اعظم حفیظ نے موقع پاتے ہی پتا پھینک دیا اور فاتحانہ نظروں سے ابوالقاسم خان کی طرف دیکھا۔

ابوالقاسم خان کو امید نہ تھی کہ بازی اتنی جلدی ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی مگر اعظم کو رسمی کارروائی سے قبل ہی فیصلہ سنانے کا موقع خود فاروق صاحب نے فراہم کیا تھا۔ اور اب صرف فاروق صاحب کی رسمی تائید باقی تھی۔ ان کا یعنی چیئرمین کا کچھ کہنا نہ کہنا بیکار تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ فاروق صاحب ہر صورت میں ان کی مخالفت کریں گے۔ ہمیشہ کی طرح یہ ہوتا کہ ایک ایک پلیئر کی کارکردگی پر بحث ہوتی اور اسے شامل کرنے یا نہ کرنے پر رائے لی جاتی تو شاید گنجائش پیدا ہوتی کہ وہ کسی کو ان فٹ قرار دیں اور جبار کے لیے کوشش کریں مگر آغاز سے پہلے ہی اعظم حفیظ کے ایک جملے نے معاملے کو انجام تک پہنچا دیا تھا۔

تاہم ابوالقاسم خان بغیر لڑے ہار تسلیم کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ "تم نے محسوس کیا کہ ہماری مڈل آرڈر بیٹنگ کچھ کمزور ہے؟" قاسم خان نے کہا۔

ایک کرکٹر ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس پہنچا۔
"صورتِ حال بہت خوف ناک ہے جناب۔" اس نے کہا۔ "مجھ سے اسکور نہیں کیا جاتا۔ میں باؤلنگ بھی اچھی نہیں کرتا، مجھ سے ہر کیچ بھی نہیں پکڑے جاتے۔ بتائیے میں کیا کروں؟"
"کرکٹ چھوڑ کر کوئی اور کام تلاش کرو۔"
"یہ ناممکن ہے جناب، کل میں انگلینڈ کی طرف سے ٹیسٹ کھیل رہا ہوں۔"

"آپ کسے پروپوز کرتے ہیں؟" اعظم نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔ "نام لے کر بتائیے کس کو نکالا جائے۔"

قاسم خان نے غور کرنے کے انداز میں انگلیاں چٹخاتے ہوئے ایک نام لیا۔

"اس نے گزشتہ دو میچز میں کیا اسٹینڈ دیا ہے؟" فاروق صاحب بولے۔ "غالباً ایک میں اس کی ہاف سنچری تھی اور چھٹی ساتویں وکٹ کی پارٹنرشپ میں ستّر رن بنے تھے اور اس سے اگلے میچ میں وہ پانچویں وکٹ کی نوّے رن کی شراکت میں شامل رہا تھا۔"

"مگر اس کے اپنے رن صرف بیس تھے۔" ابوالقاسم خان نے کہا۔

"اس وقت حالات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ ہیڈ ڈاؤن کھیلے۔" اعظم حفیظ نے کہا۔ "اس نے ایک اینڈ روک رکھا تھا۔"

ابوالقاسم خان نے دوسرا نام لیا۔ فاروق ضمیر نے اسے بھی مسترد کر دیا۔

"دیکھیے فاروق صاحب!" ابوالقاسم خان نے صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اس میچ میں جبار ضرور کھیلے۔ اگر وہ سیمی فائنل نہ کھیلا تو پھر فائنل میں اس کا چانس کہاں ہوگا لیکن سیمی فائنل میں کچھ کر کے وہ فائنل کھیل سکتا ہے اور اسے یہ چانس ملنا چاہیے۔"

"میں کسی بھی تبدیلی کو ٹیم کے حق میں بہتر نہیں سمجھتا۔ اس وقت ٹیم متوازن ہے اور ان میں ایک انڈر اسٹینڈنگ پیدا ہو گئی ہے۔ تین میچ جیت کر ان کے درمیان جو ہم آہنگی... فائٹ دینے کی اسپرٹ آگئی ہے اسے برقرار رکھنا چاہیے۔ آج نیٹ پر میں نے سب کو جج کیا۔" اعظم حفیظ نے کہا۔

"ٹیم کا توازن واقعی بگڑ جائے گا۔" فاروق ضمیر نے کہا۔

"نان سنس۔ ٹیم دس کھلاڑیوں کے ساتھ بھی کھیلتی ہے۔ کیا کھلاڑی زخمی ہو کے ریٹائر نہیں ہو جاتے؟" ابوالقاسم خان نے کہا۔

"ان کی جگہ بارھواں کھلاڑی فیلڈ کرتا ہے۔ ہم جبار کو بارھواں کھلاڑی رکھ لیتے ہیں۔" اعظم حفیظ نے کہا۔

"بارھواں نہیں گیارھواں کھلاڑی۔" ابوالقاسم خان نے کہا۔

"بارھویں کھلاڑی کو بھی ٹیم میں شامل سمجھا جاتا ہے۔" اعظم حفیظ نے کہا۔ "ٹیسٹ ٹیم میں بارھواں کھلاڑی نیا ہو تو یہی کہا جاتا ہے کہ اسے بھی ٹیسٹ کیپ مل گئی۔"

"مسٹر اعظم..." قاسم خان نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "تم جانتے بوجھتے میری بات کو سمجھنے سے گریز کر رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ کھیلے۔ وہیں جو اس کا مقام ہے۔ نمبر سکس یا سیون۔ وہ بیٹنگ کرے۔ آفٹر آل وہ بیٹنگ کرنا جانتا ہے اور ایسا نہیں ہے کہ اس نے پہلے کبھی بیٹ پکڑا ہی نہ ہو۔ وہ میری سفارش پر نہیں میرٹ پر سولہ کھلاڑیوں میں شامل ہوا تھا لیکن اسے چانس نہیں دیا جا رہا ہے۔ کیا میری درخواست بھی مسترد کر دی جائے گی۔ میں اس کمیٹی کا چیئرمین ہوں۔ اس بنک کا وائس پریذیڈنٹ ہوں۔ میرے بیٹے کے ساتھ بالکل رعایت نہیں ہوئی۔ آپ لوگ اتنے رجِڈ ہو جائیں گے۔"

"مسٹر قاسم!" فاروق ضمیر نے ان کے خاموش ہونے کے کچھ دیر بعد کہا۔ "یہ رجِڈ ہونے کا سوال نہیں... ایک اصولی بات ہے۔"

"اصولی بات! آپ زندگی میں کتنے اصول پرست ہیں یہ میں جانتا ہوں۔ آپ نے کتنے آدمی بھرتی کرائے۔ کس کس کو پروموشن دلوائی۔"

"پلیز مسٹر قاسم۔ آفیشل میٹرز کو ہم یہاں ذاتی سطح پر ڈسکس کرنے لگے تو صورتِ حال سخت ناخوشگوار ہو جائے گی۔" فاروق ضمیر نے ناگواری سے کہا۔ "جتنا آپ میرے بارے میں جانتے ہیں اتنا ہی میں بھی آپ کے بارے میں جانتا ہوں۔ بٹ دِس از ناٹ کرکٹ۔ اپنی رائے کو کرکٹ تک محدود رکھیے۔"

"اپنے بیٹے کے لیے اگر میں کچھ نہ کر سکا تو پھر کون کرے گا اور خصوصاً ان حالات میں کہ وہ ڈیزرو بھی کرتا ہے۔" ابوالقاسم نے خود کو بظاہر پُرسکون کرنے کے بعد کہا۔ "کیا میں کسی دوسرے ادارے سے رجوع کروں۔ یونین بنک کے چیئرمین سے کہوں کہ میرے بیٹے کو اپنی ٹیم میں رکھ لے۔ نیشنل ائیرلائن میں شامل کرانے کے لیے کوشش کروں؟ کیا عزت رہ جائے گی میری۔ کتنی آکورڈ پوزیشن ہوگی۔ جب کوئی سوال کرے گا کہ مسٹر ابوالقاسم خان! آپ تو اپنے بنک میں سینئر وائس پریذیڈنٹ ہیں اور آپ کا لڑکا بڑا بھی نہیں کھیلتا۔"

"وہ اچھا کھیلتا ہے۔" اعظم حفیظ نے کہا۔ "لیکن اس وقت سوال ترجیحات کا ہے۔ اس سے بہتر کھیلنے والے موجود ہیں۔"

ابوالقاسم خان مسکرائے۔ انھوں نے جیب میں سے ایک کاغذ نکالا۔ "یہ تمھاری ٹیم کے ایک لڑکے نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے دیا ہے۔ یہ تمھاری ٹیم کی اننگس اوپن کرتا ہے۔ وہ مجھ سے ملا تھا اور اس نے کہا کہ کچھ ذاتی مصروفیات ایسی آ گئی ہیں کہ وہ کل کا میچ نہیں کھیل سکتا۔"

اعظم نے کاغذ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے، آج سارا دن وہ نیٹ پر تھا۔ اس نے مجھ سے ذکر نہیں کیا۔ کسی سے بھی بات نہیں کی۔"

"تم اُسے بلا کے پوچھ سکتے ہو۔ اگر تمھارا خیال ہے کہ یہ خود میں نے لکھا ہے اور میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" ابوالقاسم خان نے کہا۔

"کیا آپ ایک سچ اور بول سکتے ہیں؟" اعظم حفیظ نے وہ کاغذ نیچے پھینک دیا۔ "کہ آپ نے اسے بلوایا نہیں تھا؟ پریکٹس کے بعد یہاں طلب نہیں کیا تھا۔ اسے دھمکی نہیں دی تھی۔ لالچ نہیں دیا تھا... پروموشن کا... کنفرمیشن کا۔"

"تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو..."

"میں حقیقت بیان کر رہا ہوں... یہی حربہ آپ نے آج صبح مجھ پر بھی آزمائے تھے بلکہ اس سے بھی گھٹیا..." اعظم حفیظ نے چیخ کر کہا۔ "آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔"

"فاروق صاحب! دِس از ٹو مچ... یہ میری انسلٹ ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ "اَن ڈسپلن" ہے۔" ابوالقاسم خان نے چراغ پا ہو کے کہا۔

"پلیز... پلیز... آپ دونوں اطمینان سے بات کریں۔" فاروق ضمیر نے ریفری کا کردار ادا کرتے ہوئے کہا۔ "آپ دونوں غصے میں ہیں۔ قاسم خان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اعظم حفیظ کا اسٹینڈ بھی غلط نہیں۔ یہ کوئی آفیشل میٹر تو ہے نہیں کہ میں انضباطی کارروائی کروں۔ ہم سب کرکٹ سلیکشن کمیٹی کے ارکان ہیں اور ایک ہی معاملے پر بحث کر رہے ہیں۔ تاہم بحث میں کسی کو پرسنل ہونے کی ضرورت نہیں۔ اعظم! تمھارا ایک پلیئر لکھ کر دے گیا ہے کہ وہ نہیں کھیل سکتا... فارگٹ کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"اِن دیٹ کیس۔" اعظم نے سوچ کر کہا۔ "میرے پاس دوسرا کھلاڑی ہے جو بہتر فارم میں ہے مگر میں نے ٹیم اسپرٹ اور ٹیم کے بیلنس کی خاطر اسے شامل کرنے کی بات نہیں کی تھی... ہی از پج ہیٹر..."

"تمھارے پاس تین اوپنرز ہیں۔" ابوالقاسم خان نے کہا۔ "باقی دو کو ٹرائی کرو... ان میں سے ایک نمبر سکس کھیل رہا ہے، اسے اوپر لے آؤ اور جبار کو نمبر سکس کر دو۔"

اعظم نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں سارا بیٹنگ آرڈر ڈسٹرب کرنے سے کہیں بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ دوسرا اوپنر لے لوں۔"

"گویا تم طے کر چکے ہو کہ کسی صورت میں بھی جبار کو گیارھواں کھلاڑی نہیں رکھو گے؟"

"میرے پاس دس بہترین قابلِ اعتماد بیٹر ہیں... جن کی مدد سے میں میچ جیت سکتا ہوں۔"

"پھر تو جبار کو گیارھواں کھلاڑی رکھنے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑنا چاہیے مسٹر اعظم۔ تم میچ اپنے دس کھلاڑیوں سے جیتو... جبار کو اضافی رکھو۔ ویسٹ انڈیز سی کہ وہ کیا کر سکتا ہے اور کیا کرتا ہے اسے ایک بار چھٹے نمبر پر جانے کا موقع تو دو۔"

"میں مجبور نہیں ہوں... میرے پاس جبار سے بہتر گیارھواں کھلاڑی موجود ہے قاسم خان صاحب۔" اعظم نے کہا۔ "اور یہ موقع کسی کے ساتھ رعایت کا، کسی کے لیے گنجائش نکالنے کا... کسی کو زبردستی اکوموڈیٹ کرنے کا نہیں ہے کیونکہ ہم بہت مشکل صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ ہمارے سامنے ایک چیلنج ہے اور اس بار چانس ہے کہ ہم فائنل جیت لیں مگر اس کے لیے سیمی فائنل میں آؤٹ رائٹ وِن ضروری ہے۔ ہم ڈرا افورڈ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ پھر ہم ٹورنامنٹ سے باہر ہو جائیں گے۔ جیت کے لیے ہر کھلاڑی اور ہر باؤلر کی ہر بال... ہر بیٹسمین کا ہر رن اور ہر کیچ اہم ہے... ہم انیس بیس کے فرق کو بھی نظر انداز کریں گے تو یہ رِسک ہوگا۔ ہمیں ہر صورت میں بیس کو رکھنا ہوگا۔ تاکہ بعد میں ہمیں پچھتانا نہ پڑے کہ فلاں کھلاڑی پر ہم متفق نہیں تھے اور اسی کے نتیجے میں فائنل ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔"

"گویا تم گیارھواں کھلاڑی بنا لو گے؟ ایک نیا اوپنر۔" فاروق ضمیر صاحب نے بحث ختم کرنے کے لیے کہا۔

"اوّل تو میں کوشش کروں گا... یہ معلوم کرنے کی کہ جس شخص نے مجھے بتائے بغیر ابوالقاسم خان کو ذاتی مجبوری بتائی... وہ کیا مجبوری تھی۔ اور میں اُسے قائل کر لوں گا کہ ٹیم کو اس کی ضرورت ہے۔ ایسے وقت میں ٹیم کا توازن بگڑنا نہیں چاہیے لیکن میں ناکام رہا تو پھر اوپنر دوسرا ہوگا۔"

"تم اپنا فیصلہ مسلط کر رہے ہو ہم پر؟" قاسم خان بھٹ پڑے۔

"نہیں... فاروق ضمیر صاحب... آپ کا کیا خیال ہے؟" اعظم نے مسکرا کے کہا۔

"بھئی میں کپتان کی رائے کو نظر انداز کرنے کا قائل نہیں۔ عمران خان نے یہی اسٹینڈ لیا تھا کہ کپتان کو سلیکٹر ہونا چاہیے کیونکہ گراؤنڈ میں وہ جس ٹیم کو لے جاتا ہے، وہ اس کی اپنی ہونی چاہیے۔ پھر وہ رزلٹ کا ذمہ دار سمجھا جا سکتا ہے ورنہ یہ تو ہم بھگت ہی رہے ہیں ہاکی میں... کہ اوپر والے اپنی افسر شاہی چلا کے گیارہ کھلاڑی پکڑ لیتے ہیں اور کپتان کو تھما دیتے ہیں کہ چلو اب کھیلو... کھیلو ہی نہیں... جیتو... چنانچہ میں اعظم حفیظ سے اتفاق کرتا ہوں۔"

ظاہر ہے اس کے بعد سلیکشن کمیٹی کی میٹنگ کے جاری رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ قاسم خان جانتے تھے کہ یہ اعظم سے اتفاق کرنے کی بات نہیں تھی۔ فاروق کا مقصد ان سے اختلاف کرنا تھا۔ کمیٹی کے تینوں ارکان ایک ساتھ اُٹھے اور باہر چلے گئے۔ دونوں وائس پریذیڈنٹ اپنے کمروں سے نکلے تو ان کے درمیان مخاصمت کی خلیج کچھ اور پھیل گئی تھی۔ اعظم کے ساتھ لفٹ میں نیچے تک جاتے ہوئے وہ ایک دوسرے سے نظریں چراتے رہے۔

معروف سڑک اب ویران ہونے لگی تھی۔ پارکنگ لاٹ میں جہاں دن کے وقت سائیکل کھڑی کرنے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی، اب صرف دو ہنڈا اکارڈ رہ گئی تھیں۔ اعظم حفیظ نے اپنی موٹر سائیکل اٹھائی اور ابھی دونوں نائب صدور کے شوفروں نے دروازے بھی بند نہیں کیے تھے کہ اعظم موٹر سائیکل پر دو فرلانگ دُور جا چکا تھا۔

اس نے موٹر سائیکل کو کلفٹن کوارٹرز کے ایک جی ٹائپ کوارٹر کے سامنے روکا۔ یہ دو مختصر کمروں کے کوارٹر تھے جو اصولاً لوئر یا اپر ڈویژن کلرکوں اور چپراسیوں کو ملتے تھے مگر ان میں گریڈ سولہ اور سترہ کے افسران تک رہتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا کرایہ کم تھا اور یہ شہر کے وسط میں واقع تھے۔ سرکاری محکموں کی کسمپرسی سرکاری کوارٹروں اور ان میں رہنے والوں کے حالات سے بھی عیاں تھی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ بجایا۔

"بھئی کون ہے...؟" پروین نے دروازے کی درز سے جھانک کر شرارت سے کہا۔

"پری کا گھر والا... شاہ جنات کا پوتا۔" اعظم نے کہا۔

"چلو چلو... کوئی اور گھر دیکھو۔" پروین ہنسی۔ "یہاں انسان رہتے ہیں۔"

"میں موٹر سائیکل سے کر دروازے کو توڑتا ہوا اندر آ جاؤں گا۔ پری کی بچی۔"

"ارے رے... دروازہ سرکاری ہے۔" پروین نے دروازہ کھول دیا۔

اعظم اسے دیکھ کر رک گیا۔ اس نے حیدرآبادی جوڑا پہن رکھا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ یہ اہتمام بے سبب نہیں تھا۔ اس نے بالوں میں پھول لگائے تھے اور آنکھوں میں سرمہ۔

"قسم خدا کی قتل کر دیا۔" اعظم بولا۔ "اے کوہِ قاف کی پری۔"

پروین ہنسی اور پیچھے ہٹ گئی۔ "بڑی توپ چلائی جی آپ نے کل تو..."

"ارے توپ تو ہم کل چلائیں گے۔" اعظم چارپائی پر بیٹھ گیا۔ "جب سیمی فائنل میں چھکے مار مار کے دُشمنوں کے چھکے چھڑا دیں گے ساتھ کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیں گے۔ کل چھ تاریخ ہے۔ ہمارا نمبر چھ بیٹسمین بڑی فارم میں ہے۔ اوور میں چھ بالیں ہوتی ہیں۔ اس کوارٹر کا نمبر بھی چھ ہے۔ چھ میرا لکی نمبر بنتا جا رہا ہے۔ چنانچہ میں تمہارے ہاتھ کی چھ روٹیاں کھاؤں گا اور اس کے بعد چھ بار تمہارے ہاتھ

چوم کے چلا جاؤں گا۔"

پروین بل کھا کے ہنستے ہنستے دہری ہو گئی۔ "اماں چھ بجے گئی تھیں اور تم سات بجے کیوں آئے ہو؟"

"کس کے ساتھ گئیں تھیں؟" اعظم نے غسل خانے کا رخ کیا اور شڑاپ شڑاپ منہ دھونے لگا۔ باہر پروین نے پراٹھے تلنے شروع کیے۔ ایک منظم سازش کے تحت ایسے مواقع پیدا کیے جاتے تھے۔ اعظم کی بہن افشاں پورے سو روپے لے کر مہینے میں ایک آدھ مرتبہ یہ کارنامہ سرانجام دیتی تھی کہ پروین کی ماں کے گھر جا پہنچتی تھی اور اسے اپنے ساتھ بازار لے جاتی تھی۔ یہ کہہ کر کہ بس ابھی آدھے گھنٹے میں آجائیں گے چنانچہ پروین کو کیا ساتھ لے جانا۔ پھر افشاں شاپنگ کے بہانے وقت ضائع کرتی تھی یا پھر وہ پروین کی ماں کے سر ہو جاتی تھی کہ بہت دن ہو گئے... گھر چلو میرے ساتھ... اماں بہت یاد کرتی ہیں۔ اور پروین کو چونکہ وہاں ایک ہی بار جانا تھا اس لیے وہ اکیلی رہ جاتی تھی۔ جب سے اس کے والد کا انتقال ہوا تھا ان کے دونوں پڑوسی ماں بیٹی کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگے تھے۔ پروین کی ماں جاتے جاتے ان سے کہہ جاتی تھی کہ میں ذرا جا رہی ہوں لڑکی اکیلی ہے۔ خیال رکھنا... اور سمجھنے والے سمجھ جاتے تھے کہ وہ پروین کے ہونے والے سسرال جا رہی ہے جہاں پروین کو وہ ساتھ نہیں لے جا سکتی۔ یہ نہیں کہ پروین یا اعظم کی ماں کو چوری چھپے کی ملاقاتوں کا بالکل علم نہیں تھا۔ بس وہ کبھی پکڑے نہیں گئے تھے اور شک کی اس لیے اہمیت نہیں تھی کہ اسی سال کے ختم ہونے سے پہلے پروین اور اعظم کو ایک دوسرے کا ہو ہی جانا تھا۔ کچھ اعتماد کی بات بھی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے مگر اس چاہت میں ہوس کا شائبہ تک نہ تھا۔ باہمی احترام کا یہ جذبہ کبھی بے لگام نہیں ہوا تھا۔

"پری... تو کل آئے گی؟" اعظم نے دوسرا پراٹھا توے سے اترتے ہی پھاڑنے کی کوشش کی اور زور زور سے ہاتھ ہلانے لگا۔ "مروا دیا نا... کیا ضرورت ہے اتنے گرم پراٹھے پکانے کی؟"

"صبر سے کیوں نہیں کھاتے۔" پروین ہنسی۔

"صبر... وہ کیا ہے کہ۔ نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال۔" اعظم نے کہا۔

"غربال کیا ہوتا ہے؟"

"ہوتا نہیں... ہوتی ہے... چھلنی... جس میں تو سو چھید ہوتے ہیں۔ اس میں پانی نہیں ٹھہرتا... تو عاشق کے بارے میں شاعر فرماتا ہے کہ اس میں صبر کہاں... تو آ رہی ہے کل اپنی مرضی سے یا میں اٹھوا لوں۔"

"کل تو کسی صورت نہیں آسکتی۔" پروین نے کہا۔ "کالج بند ہے۔"

باؤلر کے سامنے ایک ایسا بیٹس مین تھا جو بیٹ ہلانے کا قائل ہی نہیں تھا۔ اس کی ہر بال یا تو ساکت بیٹ سے ٹکراتی، یا دائیں بائیں سے بغیر کوئی نقصان پہنچائے گزر جاتی۔ تنگ آکر وہ امپائر کی طرف مڑا۔ "جناب! یہ تو بیٹ استعمال ہی نہیں کر رہا ہے، اس صورت میں کیا یہ آؤٹ نہیں؟"

"نہیں۔" امپائر نے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ اگر یہ بیٹ استعمال کرے گا تو آؤٹ ہو جائے گا۔"

■■■■■■■■■■■■■

نوجوان بیٹس مین بہت زیادہ نروس تھا۔ یہ محض اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اب بھی کریز پر موجود تھا۔ وہ خفت بھی محسوس کر رہا تھا۔ بالآخر اس نے پلٹ کر وکٹ کیپر کو دیکھا اور بولا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ نے مجھ سے زیادہ خراب کھیلنے والے بھی دیکھے ہوں گے؟"

وکٹ کیپر خاموش رہا۔

بیٹس مین نے اپنی بات دہرائی۔

"میں نے تمہاری بات سن لی تھی۔" وکٹ کیپر نے جواب دیا۔ "لیکن میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"فائنل دیکھنے بھی نہیں آئے گی؟" اعظم بولا۔

"کیا کروں گی آکے؟ تمہاری روتی صورت دیکھنا پڑے گی۔"

"دیکھ پری! اس بار تو فائنل جیتا ہی جیتا۔" اعظم بولا۔ "مگر تیرا آنا لازمی ہے۔ پویلین میں بیٹھ کے مسکراتی رہنا۔ میں اس لڑکی کو نظر میں رکھوں گا اور ہر چھکا تیری طرف... ہر چوکا تیرے نام... تیرے قدموں میں..."

"فائنل میں ضرور آؤں گی..."

"ٹکٹ لے لیا ہے؟" اعظم نے خوش ہو کے کہا۔

پروین شرما کے ہنسی۔ "ہاں... بہت پہلے لے لیا تھا۔"

"پری... یہ جو تیری سہیلی ہے نا... ہے تو جھلی... مگر اسے میری طرف سے پیار کرنا کہ جیسے وہ دو پیار کرنے والوں کو ملواتی ہے، ایسے ہی اللہ اسے کسی بھوت سے ملوائے۔ وہ بھوتوں نہائے بھوتوں پھلے۔" اعظم ہنسا اور ذرا مغرور ہو گیا۔ پروین کے پچھلی بینچ سے باہر۔ کھیر کھانے کے بعد جب وہ باہر نکلا تو اسے احساس ہوا کہ اس کا پیٹ طنبورے کی طرح بج رہا ہے اور اس نے فوراً ناشتے کا مکسچر بنایا تو سیمی فائنل میں کپتان وہ ہوگا جو نائب کپتان ہے۔ پروین سے یہ سازشی ملاقات بڑا مزہ دیتی تھی۔ اس کا عشق پھر ٹاپ گیئر میں آجاتا تھا اور وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگتا تھا کہ کب

وہ دن آئے گا جب قیمہ پراٹھے اور کھیر کھانے کے لیے افشاں کو سو روپے نہ دینے پڑیں۔ سو روپے میں یہ مینو بہت مہنگا تھا۔ مگر یہ پیار کا سودا تھا۔ جب پروین کا باپ اور اعظم کا باپ ایک ساتھ اوپن کرنے جاتے تھے، وہ زمانہ سرحد کے اس پار رہ گیا تھا۔ وہ کالج کے چار سالوں میں کرکٹ کے ایک محدود حلقے پر چھائے رہے۔ انھوں نے ٹیسٹ میچ تو کوئی نہیں کھیلا لیکن فرسٹ کلاس کرکٹ میں تقریباً سب ہی نامور کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلنے کا موقع انھیں ضرور ملا۔ پروین کا ایک ہی بھائی تھا اور اسے فاسٹ باؤلر بنانے میں پروین کے باپ نے دن رات محنت کی تھی۔ اگر وہ زندہ رہتا تو شاید ٹیسٹ میچ کھیلتا لیکن وہ قتل ہو گیا۔ اس کا دشمن کوئی نہیں تھا۔ اسے کوئی قتل بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ نیوزی لینڈ کی ٹیم پاکستان کے دورے پر آئی تو لاہور کا میچ ڈرامائی رہا۔ ایک دن پہلے کھیل ختم ہوا تو پاکستان کے سو رنز بھی نہیں تھے اور اس کے پانچ کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے۔ عام یقین یہی تھا کہ پاکستان کا شکست سے بچنا ناممکن ہے۔ پروین کا بھائی پنڈی سے اپنے چند دوستوں کے ساتھ میچ دیکھنے لاہور گیا ہوا تھا۔ اس نے کسی سے شرط لگا لی۔ بات صرف ایک گھڑی کی تھی اور پروین کے بھائی نے مذاق سمجھتے ہوئے کہہ دیا کہ اگر پاکستان جیت گیا تو گھڑی تمھاری۔ پاکستان کی آخری امید وہی دو بیٹسمین تھے جو کریز پر تھے۔ یہ کون امید کر سکتا تھا کہ یہی دونوں کھیل کا پانسا پلٹ دیں گے۔ اگلے دن وکٹ کیپر امتیاز احمد نے دو سو نو رن بنائے اور وقار نے ایک سو نو۔ ان کی عظیم الشان پارٹنر شپ نے اسکور کو پانچ سو اکتیس تک پہنچا دیا۔ آخری لمحات میں پھر پاکستان کے لیے ایک چیلنج سامنے آ گیا۔ جب ان کو ایک سو نو منٹ کے کھیل میں ایک سو سولہ رن بنانے تھے۔ یہ نیوزی لینڈ کی ٹیم کی اسپورٹس مین شپ تھی کہ انھوں نے نیگیٹو کھیل نہیں کھیلا، ڈیفنس پر نہیں آئے اور ایک منٹ بھی ضائع نہیں کیا ورنہ ان کے لیے لمبے لمبے اسٹارٹ لینا، بار بار فیلڈ سیٹ کرنا، بارھویں کھلاڑی کو بار بار بلانا اور کسی کو بھی پویلین میں بھیج دینا اور بہت کچھ کرنا ممکن تھا اگر انھوں نے پاکستان کو موقع فراہم کیا۔ پاکستان نے مار دھاڑ میں سات وکٹ گنوا دیے مگر میچ مطلوبہ اسکور کر کے جیت لیا اور اس میچ کے اختتام پر تماشائیوں نے پاکستانی کھلاڑیوں کے ساتھ نیوزی لینڈ کی ٹیم کو بھی کندھوں پر اٹھایا تھا۔ یہ اتنا غیر متوقع انجام تھا کہ دو دن پہلے اس کا تصور بھی محال تھا مگر اسی انجام نے پروین کے بھائی کو اس انجام تک پہنچا دیا جس کا وہ دو دن پہلے شرط لگاتے وقت تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ شرط ہار گیا اور شرط جیتنے والے نے اس سے گھڑی مانگی۔ گھڑی نئی اور قیمتی تھی۔ پروین کے بھائی نے ٹالنے کے لیے کہا کہ شرط نہیں تھی، مذاق کی بات تھی مگر مذاق کی بات بڑھ گئی۔ چیئرنگ کراس پر جہاں پہلے ملکہ کا بت تھا، ان دونوں میں ہاتھا پائی ہو گئی۔ مختصر سے باغیچے کے گرد حد بندی کے لیے فولادی ڈنڈے گڑے ہوئے تھے اور انھیں بہت بھاری زنجیر سے منسلک کر دیا گیا تھا۔ زنجیر اور پلر سب برائے ڈیکوریشن پیس تھے اور ان کا مقصد کسی کو روکنا نہیں تھا۔ دو کھمبوں کے درمیان زنجیر ایک طویل قوس بناتی تھی اور درمیان میں اس کی اونچائی فرش سے ایک فٹ بھی نہیں رہتی تھی۔ نہ جانے کس طرح پروین کا بھائی ایک دھکے سے پلر پر گرا۔ اس کا اوپر والا سرا گول اور نوکیلا تھا" اس کا سر پھٹ گیا۔ شاید وہ پھر بھی بچ جاتا مگر وہ جھٹکے سے فولادی زنجیر پر گرا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ وہیں اسی طرح پڑا رہ گیا کہ ٹوٹی ہوئی گردن زنجیر کے ایک طرف جھول رہی تھی اور باقی بے جان جسم دوسری طرف رہ گیا تھا۔ وہ زنجیر زندگی اور موت کی سرحد بن کے حائل نہ ہوتی تو... مگر یہ وہی بات ہے کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا۔ نہ ہوتا یوں تو کیا ہوتا۔

پروین کے باپ نے کسی کے خلاف قتل کا کیس نہیں بنایا۔ وہ لڑکا جس نے پروین کے بھائی کو دھکا دیا تھا، جائے واردات سے فرار ہو گیا تھا۔ اس نے خود ہی پنڈی پہنچ کے پروین کے باپ کو اطلاع دی۔ غصے اور صدمے کے جنون میں پروین کے باپ نے اسے بہت مارا مگر وہ مار کھاتا رہا، روتا رہا اور معافیاں مانگتا رہا۔ اسے معاف کر کے پروین کے باپ کو کچھ سکون ملا تھا جو اسے جیل بھجوا کے نہیں مل سکتا تھا۔ اس نے بیٹے کی موت کو نامعلوم افراد سے منسوب کر دیا اور خود تسلیم کر لیا کہ جس روز یہ واردات ہوئی اس دن بیٹے کا قاتل تو راولپنڈی میں موجود تھا ـــــ اعظم کا باپ پہلے ہی مر چکا تھا۔ پروین کے باپ نے اپنی ساری توجہ اعظم پر مرتکز کر دی۔ اعظم کا باپ فرسٹ کلاس کرکٹ سے ریٹائر ہونے کے بعد ایک بینک میں چپراسی بھرتی ہو گیا تھا۔ یہ ریٹائرمنٹ معاشی مجبوری کا نتیجہ تھی۔ یہاں اسے بدلا ہوا ماحول ملا اور اجنبی لوگ ملے۔ وہ کوشش کے باوجود ان کے درمیان جگہ نہ بنا سکا۔ کرکٹ اس زمانے میں صرف شوق تھا جو پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ پیٹ بھرنے کا وسیلہ نوکری ہو سکتی تھی اور اسے نوکری دینے والا کوئی نہ تھا۔ اس کی تعلیمی اسناد بھی فسادات میں جل گئی تھیں اور ان کی راکھ بھی سرحد کے اُدھر ہی رہ گئی تھی۔ یہاں اسے خود کو میٹرک پاس ثابت کرنا بھی دشوار ہو گیا۔ اس نے پرانے ساتھیوں کو بہت سے خطوط لکھے۔ بقول اس کے لالہ امرناتھ... مشتاق... وجے ہزارے اور گل محمد جیسے لوگ اس کے دوست تھے مگر جواب کسی نے نہیں دیا۔ کسی نے یہاں اعلیٰ حکام کے نام ایک سفارشی خط تک نہیں دیا۔ جب نوبت فاقوں تک پہنچنے لگی تو اس نے چپراسی بننا قبول کر لیا مگر وہ دو سال ہی جیا... اس کے بعد اعظم کے گھر کے اخراجات کا بار خود اس کی ماں نے اٹھایا اور

تھوڑی بہت مدد پروین کے باپ نے کی۔ وہ بھی کلرک ہوگیا تھا اور زیادہ ترقی نہیں کرسکتا تھا۔ بیٹے کی موت کے بعد وہ کراچی آگیا تھا اور یہ ٹرانسفر اس نے اپنی مرضی سے کرایا تھا۔

جب اعظم بڑا ہوا اور کالج پہنچا تو ایک بار پھر پروین کے باپ نے اپنے گمشدہ خوابوں کا خزانہ تلاش کرلیا۔ اسے اعظم میں وہی بیٹسمین نظر آیا جو اس کے باپ کا نقشِ ثانی تھا۔ پروین کا باپ اس کا کوچ بن گیا مگر اعظم میں کرکٹر بننے کی خداداد صلاحیت پیدائشی طور پر موجود تھی۔ پروین کے باپ نے اس صلاحیت میں اضافہ نہیں کیا۔ صرف اس کے ہنر کی نوک پلک سنوار دی اور اپنے تجربے کی روشنی دے کر اعظم کو ایک منزل کی طرف گامزن دیکھتا رہا۔ اس نے اعظم کو صرف انٹر یونیورسٹی ٹورنامنٹ میں پہلی سنچری کرتے دیکھا تو وہ گھر آکے خوشی سے روتا رہا اور اپنے دوست کو یاد کرتا رہا۔ اس نے پروین کے لیے اعظم کا رشتہ قبول کرلیا اور تیسرے دن مرگیا۔ مرتے وقت اسے صرف یہ صدمہ تھا کہ اس کا اپنا بیٹا ہوتا تو وہ افشاں کو اپنے گھر لے آتا اور یوں دونوں گھر آباد رہتے۔ اعظم نے آمنہ کیا ہی تھا کہ اُسے احباب بنک سے آفر ہوئی۔ وہ انٹرویو کے سلسلے پہنچا تو ابوالقاسم سے ملاقات ہوئی۔ وہ گارڈن ایسٹ کی ایک کوٹھی میں رہتے تھے اور اسی کوٹھی کے عقب میں کچے مکانوں اور جھگیوں کی وہ بستی تھی جس میں اعظم نے اپنا بچپن گزارا تھا... وہ ابوالقاسم کو بھی پہچانتا تھا اور ان کے لڑکے جبار کو بھی مگر ابوالقاسم خان نے اُسے پہچاننے سے انکار کردیا۔

اعظم حفیظ کو آج بھی وہ دن یاد تھا جب وہ پہلی بار انٹرویو کے لیے احباب بنک لمیٹڈ کے ہیڈ آفس پہنچا تھا۔ گزشتہ ٹرافی میچوں میں اپنی شاندار پرفارمنس کے بعد اسے ملنے والی یہ پہلی اچھی آفر تھی۔ اس سے پہلے وہ ایک سرکاری بنک میں کلرکی کررہا تھا اور سرکاری ماحول میں سرکاری افسروں کی خلاف بے نیازی کے باعث ایک فائل سے زیادہ اہم نہیں سمجھا جاتا تھا جس پر ضابطے کی کارروائی جاری ہو۔ اُسے امید تھی کہ دنیا اُسے زیادہ دن نظر انداز نہیں کرسکے گی۔ اس سے کمتر درجے کے کھلاڑی اچھے اچھے عہدوں پر فائز ہو چکے تھے کیونکہ یا تو وہ خود ایک پلاننگ کے تحت کسی بااختیار شخص کے باقاعدہ کاسہ لیس بن گئے تھے یا پھر ان کو بیک ڈور سے پیش کرنے والے ہاتھ بہت طاقتور تھے۔ خودی اور خودداری کے چکر میں اعظم ہنوز خوار و زبوں تھا لیکن اس کے جوہر کھل کر سامنے آتے جارہے تھے اور اس کا نام بڑے کرکٹرز کی صف میں شامل ہو رہا تھا۔

ساتویں فلور پر اسے چیئرمین کے حضور پیش ہونا تھا۔ وہ سیکریٹری کے کمرے میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ سیکریٹری بے حد مستعد۔ بے حد خوش اخلاق اور بے حد خوب صورت تھی۔ اس کا کمرا کسی بھی اعلیٰ سرکاری افسر کے کمرے سے کم نہیں تھا۔ چنانچہ اعظم کو انتظار گراں نہیں گزرا۔ وہ

لارڈز کے میدان میں ایک تماشائی نے غصّے سے آسمان کی طرف دیکھا اور بڑبڑایا۔ ”یہاں میرے علاوہ بھی کم از کم دس ہزار تماشائی موجود ہیں، میدان میں پورے پندرہ افراد ہیں۔ کبوتر صرف ایک ہے لیکن اس ملعون کو تو مجھ پہ ہی بیٹ کرنا تھی۔“

بیٹس مین باؤلر کو مسلسل اسکوائر لیگ کی طرف چھکے مار رہا تھا۔ کیپٹن نے باؤلر کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ”یہ باؤلر اس بیٹس مین سے نمٹ لے گا۔“ اس نے پٹنے والے باؤلر سے کہا۔ نئے باؤلر کی پہلی ہی گیند پر بیٹس مین نے اسٹریٹ شارٹ کھیلا۔ گیند میدان کے باہر گئی... چھکا۔
”میں سمجھ گیا۔“ پہلے باؤلر نے کہا۔ ”تم نے بیٹس مین کو ڈائریکشن تبدیل کرنے پر مجبور کردیا ہے۔“

صوفے پر بیٹھا مختلف رسالوں کی ورق گردانی کرتا رہا۔ پھر کافی خود ہی آگئی۔ سیکریٹری کسی ڈانسر کی طرح اندر سے باہر اور باہر سے اندر آتی جاتی رہی۔ فون ریسیو کرکے ”مناسب“ جواب دیتی رہی اور انٹرکام پر یس سر... نو سر اور رائٹ سر کہتی رہی۔ پھر اچانک اس نے اعظم سے کہا۔ ”آپ جائیے۔“

چیئرمین نے کرسی سے اُٹھ کے انتہائی شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔ ”ویل مسٹر اعظم... آپ کو کچھ انتظار کرنا پڑا۔“

”کوئی بات نہیں سر!“ اعظم نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ چیئرمین کے کمرے کی شان و شوکت نے اسے مرعوب کرلیا تھا۔ اس کی میز کے ایک طرف فاروق ضمیر صاحب بیٹھے تھے اور دوسری طرف مسٹر اے کے خان۔ اعظم جانتا تھا کہ وہ جبار کے ڈیڈی ہیں۔

”غالباً آپ نے ہماری آفر کو قبول کرلیا ہے۔“ چیئرمین نے کہا۔

”ابھی نہیں سر۔“ اعظم نے کہا۔ ”مجھے نہیں معلوم کہ یہاں آنے سے مجھے فائدہ کیا ہوگا۔“

”فائدہ؟“ اے کے خان بولے۔ ”ہمارے اسکیل بہت بہتر ہیں اور ہم بونس زیادہ دیتے ہیں۔“

”اس کا مطلب ہے کہ یہاں بھی میں کلرک ہی رہوں گا؟“

”اور کیا توقع رکھتے ہو تم؟“ اے کے خان نے طنز کیا۔ ”تم کو وائس پریذیڈنٹ لگا دیا جائے... سوری بوائے... ابھی ہم دونوں ریٹائر ہونا نہیں چاہتے۔“

اعظم اُٹھ کھڑا ہوا۔ ”مجھے اس قسم کے انٹرویو کی توقع نہیں تھی...“

”پلیز سیٹ ڈاؤن۔“ فاروق ضمیر نے پہلی بار مداخلت کی۔

"یہ بتانے میں تو کوئی ہرج نہیں کہ تم کیا چاہتے ہو۔"

"میں آفیسر گریڈ سے کم پہ وہیں رہنا پسند کروں گا اور اپنی تقدیر کے اگلے چانس کا انتظار کروں گا۔" اعظم نے کہا۔ "یہ چانس نہ ملا تب بھی میں کرکٹ بہرحال کھیلتا رہوں گا۔ میرا باپ بھی فرسٹ کلاس کرکٹ کھیلتا تھا اور ممکن ہے اسے آپ مذاق یا مبالغہ سمجھیں مگر اس نے تقسیم سے پہلے بڑے بڑے، مشتاق، لالہ امرناتھ اور گل محمد جیسے لوگوں کے ساتھ ٹورنامنٹس میں حصہ لیا تھا۔"

"کیا نام تھا اس کا؟" فاروق ضمیر نے دلچسپی سے کہا۔

"محمد عظیم! وہ آپ کے اسی بینک میں گمنام مرگیا۔" اعظم نے تلخی سے کہا۔

"یہاں... ہمارے بینک میں؟" چیئرمین نے چونک کر کہا۔ "میں نے اس کا نام نہیں سنا۔"

"آپ نے!" اعظم بولا۔ "آپ کے ماتحت تو نہ جانے کتنے محمد عظیم ہوں گے۔ ایک چیئرمین اور ایک چپراسی کے درمیان تو زمین آسمان کی دوری رہتی ہے۔"

"وہ... چپراسی تھا... ہاں... مجھے کچھ یاد پڑتا ہے، ایک ایسا آدمی تھا۔" فاروق ضمیر نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ "وہ کچھ زود رنج اور حساس آدمی تھا۔ میرے پاس بہت عرصہ پہلے وہ کچھ ایسی باتیں کرتا تھا لیکن وہ اس عمر سے گزر چکا تھا جب میں اس کے لیے کچھ کرسکتا۔"

"کیا میں بھی اس عمر سے گزر چکا ہوں؟" اعظم نے براہ راست سوال کیا۔

"نہیں... لیکن ڈائریکٹ آفیسر گریڈ۔" چیئرمین نے کہا۔

"یہ کوئی انوکھی بات نہیں سر... انوکھی بات یہ ہے کہ جن کو پہلے یہ گریڈ مل چکا ہے وہ کسی چپراسی کے بیٹے نہیں تھے۔ ان کو کسی نے پُش کیا۔ مجھے آگے دھکیلنے والا ہاتھ کوئی نہیں ہے، سوائے اس دستِ غیب کے جس پر میرا اعتقاد راسخ ہے۔ میں کسی وزیر کسی جنرل اور کسی آئی جی کا بھانجا بھتیجا تک نہیں ہوں... میرا ورثہ تو مفلسی ہے۔"

"ڈونٹ بی بٹر۔" چیئرمین نے کہا۔ "ہم تمھاری ڈیمانڈ کو... ریجیکٹ تو نہیں کررہے ہیں۔"

"بلکہ اب تم نے اسے زیادہ قابلِ غور بنا دیا ہے۔" فاروق ضمیر نے کہا۔ "تم ہمارے ایک سابق ملازم کے بیٹے بھی ہو... تمھارے لیے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

"اوہ یس... واٹ وی کُڈ نائٹ ڈو فار ہم... کیوں کاسم؟"

"یس... یس سر..." اے کے خان چونکے۔ "آپ نے ٹھیک کہا۔"

اعظم باہر نکلا تو اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھا۔ لیکن اے کے خان اپنے کمرے میں لوٹے تو ان کے دل میں ٹوٹ کر رہ جانے والے ایک کانٹے کی پرانی خلش پھر جاگ اٹھی تھی۔ وقت نے آج ان کے مقابل ایک آئینہ کردیا تھا جس میں وہ اپنے بدصورت ماضی کو خندہ زن دیکھ سکتے تھے۔ ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس آئینے سے نظر چرالیں یا اسے توڑ دیں۔ کیونکہ یہ آئینہ ان کا اپنا ضمیر تھا، جو اتنا سخت جان تھا کہ ہزار بار مر کے بھی نہیں مرا تھا۔ اکیس سال پہلے بھی ایک ایسا ہی موقع آیا تھا جب وہ اس بینک میں ایک اسٹینوگرافر تھے اور ایک سینئر اے وی پی کے پرسنل اسسٹنٹ تھے۔ انھوں نے کبھی افسر بننے کا خواب نہیں دیکھا تھا اور اگر ایک حادثہ پیش نہ آتا تو وہ اسی عہدے پر ریٹائر بھی ہوتے۔ اب اس واقعے کو حادثہ ہی سمجھا جاسکتا تھا۔ خوب صورت فلمی اتفاق نہیں۔

ایک دن وہ اے وی پی کی عدم موجودگی میں بڑے انہماک سے کچھ ٹائپ کررہے تھے کہ ان کی بیٹی طوفان کی طرح اندر آئی۔ صاعقہ کو وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا اور اس کے حسنِ جہاں سوز کو برقِ تپاں سے کم نہیں سمجھتا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ بجلی اس کے آشیاں پر نہیں گر سکتی چنانچہ اس نے اپنے دل پر بے حسی کا کنڈکٹر نصب کرلیا تھا اور اب صاعقہ کے نازوانداز، شوخی اور آرائش و نمائش کے اسباب سے بالکل متاثر نہیں ہوتا تھا۔ صاعقہ سیدھی اندر آگئی۔ قاسم اس کے پیچھے لپکا صرف یہ بتانے کے لیے کہ اس کے پاپا آج بینکنگ کونسل کے جس اجلاس میں چیئرمین کے ساتھ گئے ہیں، وہ شام تک جاری رہے گا۔ بلکہ ہوسکتا ہے رات تک ختم نہ ہو مگر اندر پہنچتے ہی وہ ٹھٹک کے رک گیا۔ صاعقہ میز پر سر رکھے زاروقطار رو رہی تھی۔

"مس... مس صاعقہ... وہ... آپ کے پاپا نہیں ہیں۔" قاسم نے پریشان ہو کے کہا۔ "آپ گھر جائیے۔"

"نہیں جاؤں گی میں گھر... آئی وِل کِل ہم فرسٹ۔" وہ روتے روتے سر اٹھا کے بولی۔

"جی..." قاسم گڑبڑا گیا۔ "آپ کو اپنے والد کے بارے میں... ایسی بات نہیں کہنا چاہیے مس صاعقہ۔"

"یو فول... میں کسی اور کی بات کررہی تھی۔" صاعقہ نے آنسوؤں کے درمیان مسکرا کے کہا۔ "کیا عقل ہے تمھاری بھی... کیا تم جانتے نہیں کہ میں پاپا سے کتنا پیار کرتی ہوں... لیکن... آئی ایم اِن ٹربل۔"

"کیا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں؟" قاسم نے اپنے احمق ہونے کا ایک اور ثبوت دیتے ہوئے ٹربل کا غلط مطلب نکالا۔

"تم..." صاعقہ نے اسے غور سے دیکھا۔ "آف کورس... تم میری مدد کرسکتے ہو... یو آر اے ہینڈسم ینگ مین... میں تم کو لائک بھی کرتی ہوں۔ کیونکہ تم بہت فرماں بردار ہو... لیکن کیا تم بہادر بھی ہو؟"

"بہادر؟ میں بزدل بہرحال نہیں ہوں۔" قاسم نے ہمت کر کے کہا۔

"تم کسی لڑکی کی عزت بچانے کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہو؟" وہ بولی۔

قاسم نے پھر غلط سمجھا۔ "اگر معاملہ آپ کی عزت کا ہے۔ تو میں اُسے قتل بھی کر سکتا ہوں جو آپ کی طرف بُری نظر سے دیکھے۔"

"ڈائلاگ مت مارو۔ شام کو پتا چل جائے گا۔" وہ ایک دم اپنا بیگ اٹھا کے بولی۔ اس نے وینٹی بیگ کے آئینے میں دیکھ کر اپنا میک اپ درست کیا اور جس تیزی سے اندر آئی تھی اسی تیزی سے باہر نکل گئی۔ شام کو اُسے صاعقہ کے باپ کا پیغام ملا کہ ایک ضروری کام ہے اس لیے گھر آجاؤ۔ ایسا پہلے بھی ہوتا آیا تھا کہ اسے رات رات بھر بیٹھ کر کام کرنا پڑا تھا۔ خصوصاً ان دنوں میں جب کلوزنگ ہوتی تھی۔ قاسم نے سمجھا کہ اسے آج کی میٹنگ کے نوٹس ٹائپ کرنے ہوں گے۔ وہ اپنا پورٹیبل ٹائپ رائٹر لے کر رات آٹھ بجے ان کے گھر پہنچ گیا۔ خلافِ معمول اسے صاعقہ نے ریسیو کیا۔

"یہ کیا اُٹھا لائے ہیرو؟" وہ بولی۔ "تمھیں اس کام کے لیے تو نہیں بلایا گیا تھا۔"

"پھر... کس کام کے لیے بلایا گیا تھا؟"

"تم نے دن میں کیا کہا تھا؟ یاد ہے نا؟" صاعقہ سرگوشی میں بولی۔

قاسم نے کچھ نہ سمجھنے کے باوجود اقرار میں سر ہلایا اور اندر چلا گیا۔ اس نے صاعقہ کی ممی کو دیکھا جو بہت گم صم اور اداس بیٹھی تھیں اور صاف نظر آتا تھا کہ وہ روتی رہی ہیں۔ صاعقہ کے باپ نے نارمل نظر آنے کی ناکام کوشش کی۔ وہ ٹائپ رائٹر ایک طرف رکھ کے بیٹھ گیا۔ صاعقہ کی ماں اچانک اُٹھی اور اندر چلی گئی۔

"قاسم... ایک پرابلم ہے۔" صاعقہ کے باپ نے اُٹھ کر ٹہلنا شروع کیا۔

"جی... وہ مس صاعقہ..." قاسم نے کہا۔

صاعقہ کے والد چونک کر پلٹے۔ "یو نو آل اباؤٹ ہر؟"

"انھوں نے دن میں بتایا تھا... کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں... آپ نہیں تھے..." قاسم نے کہا "کوئی شخص..."

"ہاں... ہاں قاسم... یہ میری عزت کا سوال ہے۔" صاعقہ کے باپ نے اطمینان کا سانس لیا کہ تمہید باندھنے کا مشکل مرحلہ قاسم نے خود ہی ختم کر دیا تھا۔

"میں آپ کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں سر... کون ہے وہ جو آپ کی عزت کا دشمن ہوا ہے۔" قاسم نے صرف وفاداری اور جاں نثاری کا یقین دلانے کے لیے کہا۔ "میں اُسے قتل کر دوں گا۔" یہ جملہ وہ عادتاً بولتا تھا۔

صاعقہ کے والد متاثر ہوئے۔ "یو ڈیئر ٹومی... اگر تم میری مدد کرو گے تو تمھیں پچھتانا نہیں پڑے گا۔"

براؤن اور رابن دونوں بوڑھے تھے، لیکن کرکٹ کے معاملے میں دونوں میں زبردست رقابت تھی۔ دونوں خود کو ایک دوسرے سے بڑا کرکٹر ثابت کرتے تھے۔ ایک دن لوگوں نے طے کیا کہ اس بات کا فیصلہ ان دونوں کو باہم کھلا کر کر لیا جائے۔

براؤن کریز میں کھڑا ایک گھنٹے تک رن بنانے کی کوشش کرتا رہا لیکن صرف ۱۲ رن بنا پایا اور جیسے ہی رابن نے پہلی سیدھی گیند کی، بولڈ ہو گیا۔

دونوں تھک گئے تھے اور اب رابن کو بیٹنگ کرنا تھی لیکن رابن کی سانس پھول گئی تھی چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بیٹنگ نہیں کرے گا خواہ براؤن اُسے اس کی عدم موجودگی میں بولڈ کر دے۔ براؤن کے لیے اپنی برتری ثابت کرنے کا یہ بہترین موقع تھا۔

رابن پویلین میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک تماشائی ہانپتا کانپتا اس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: "رابن، مبارک ہو تم جیت گئے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کیسے ممکن ہے؟" رابن اُٹھ بیٹھا۔

"تم نے نہیں سنا؟" تماشائی نے کہا۔ "براؤن ۱۳ وائیڈ گیندیں کر چکا ہے۔"

"کمینی... بے غیرت..." اندر سے صاعقہ کی ماں کے چلّانے کی آواز آئی۔ "تو مر کیوں نہیں جاتی۔"

"میں اسے نہ مار دوں... اس کمینے کو...؟" صاعقہ نے چلّا کے جواب دیا۔

"ہاں ہاں... اسے بھی مار دے... ہمیں بھی مار دے... اور پھر پھانسی چڑھ جا۔" صاعقہ کی ماں نے چلّا کے کہا۔ صاعقہ کے باپ کا رنگ اُڑ گیا۔

"میں ابھی آتا ہوں... ایک منٹ میں..." انھوں نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ پہلی بار قاسم کو احساس ہوا کہ معاملہ بہت سنگین ہے۔ شاید وہ دلدل میں اتر گیا ہے اور اب باہر نکلنا اس کے اختیار کی بات نہیں رہی۔ اس نے کھلے دروازے کی طرف دیکھا اور بھاگ جانے کا سوچا۔ اگر اس روز وہ بھاگ جاتا تو یقیناً اس کی ساری زندگی بند دروازوں میں نہ گزرتی۔ ان بند دروازوں کے اندر اس کی قبر تھی جس کا وہ اکیلا مجاور تھا۔ اس رات قاسم خان نے خود کو مار کے دولت کے ایک ڈھیر کے نیچے دفن کر دیا تھا۔

وہ رات کے کھانے پر صاعقہ کے ساتھ پٹھان کی فیملی کے ایک ممبر کی حیثیت سے... صاعقہ کی ممی نہ جانے کیسے بہت پُرسکون ہو گئی تھی۔ اس نے قاسم کو خصوصی توجہ دی اور اس کی فیملی کے بارے میں سوالات کرتی رہی۔ یہ جان کر اُسے خوشی ہوئی کہ اس ہینڈسم ینگ مین کے آگے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے۔ ماں باپ کے ساتھ ہی ساری

خود غرض رشتے مر گئے تھے اور اس نے ساری زندگی خود بنائی تھی اور خود اپنے ساتھ گزاری تھی۔ ایسا شخص ہی ان کے لیے کارآمد ہو سکتا تھا۔ اُسے زندگی میں ترقی کی راہ دکھائی جائے۔ زمانے سے انتقام لینے کا طریقہ سکھایا جائے۔ دولت کی طاقت حاصل کرنے کے قوائد سمجھائے جائیں اور جذبات کی جگہ عقل سے کام لینے کی سوداگری سمجھائی جائے۔ قاسم میں اس کی صلاحیت بھی تھی۔

ایک ہفتے بعد اس کی اور صاعقہ کی نسبت کا اعلان کیا گیا۔

ایک مہینے بعد ان کی شادی ہوئی۔ اس وقت وہ ایک برانچ میں منیجر تھا۔ اس برانچ کے منیجر نے ڈاکے کا ناٹک کیا تھا۔ ڈاکا ڈالنے والے اس کے اپنے آدمی تھے۔ قاسم خان نے پولیس کے سامنے چشم دید گواہ کی حیثیت سے بیان لکھوایا کہ اس روز وہ ایک کام سے بنک گئے تھے۔ ان کا اکاؤنٹ اسی برانچ میں تھا اور وہ پیسہ نکلوا کے روانہ ہونے ہی والے تھے کہ دو ڈاکو اندر آ گئے۔ انھوں نے سب کو ہینڈز اَپ کرانے کے لیے ریوالور استعمال کیے اور بنک کے عملے کو لائن میں دیوار کی طرف مُنہ کر کے کھڑا کر دیا۔ وہ منیجر کو اسٹرانگ روم میں لے گئے۔ قاسم خان کے علاوہ بھی دو افراد اندر ہی محصور ہو گئے تھے۔ قاسم خان نے دونوں ڈاکا ڈالنے والوں میں سے ایک کو منیجر کے کان میں کچھ کہتے سُنا۔ جاتے وقت دوسرے نے منیجر کو ہنس کے گالی بھی دی تھی اور منیجر نے اُن سے کہا تھا "سُوّر کے بچو! مجھے تو ناک آؤٹ کر جاؤ۔" کسی اور نے یہ بات اس لیے نہیں سُنی تھی کہ وہ سب دُور تھے۔ قاسم خان کو ڈاکوؤں نے اسٹرانگ روم کے دروازے پر ہی لٹا دیا تھا۔ وہ بھاگے تھے اور گر پڑے تھے۔ ڈاکوؤں نے کہا تھا کہ خبردار جو سر بھی اُٹھایا۔ وہاں سے وہ سر اٹھا کے بہت کچھ دیکھتے رہے تھے اور چونکہ وہ پیشہ ور ڈاکو نہیں تھے اس لیے وہ زیادہ محتاط بھی نہیں تھے۔ وہ آپس میں انگریزی بول رہے تھے۔ انھوں نے منیجر کو اس کی خواہش کے مطابق ناک آؤٹ کیا۔ غالباً منیجر ویسے ہی آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تھا۔ جب ڈاکو فرار ہوئے تو قاسم خان ان کے پیچھے دوڑے اور انھوں نے سب کو ایک کار میں فرار ہوتا دیکھ لیا۔ کار کا نمبر انھوں نے نوٹ کر لیا تھا۔

وہ سب صاعقہ کے باپ کے بھیجے ہوئے آدمی تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ انھیں پہلے منیجر کی گاڑی چُرانا ہے۔ پھر گارڈ کو ناک آؤٹ کرنا ہے۔ باقی عملے، منیجر اور بنک میں موجود دیگر افراد کے ساتھ انھیں کیا کرنا ہوگا، یہ وہ خوب جانتے تھے۔ قاسم خان کو بھی معلوم تھا کہ ان کے لیے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ انھیں بے مثل جرأت اور حاضر دماغی کا مظاہرہ کرنا تھا۔ اندر کی طرف بھاگنا تھا اور اسٹرانگ روم کے قریب گرنا تھا۔ یہ سب پہلے سے طے تھا کہ ڈاکو ان سے کیا کہیں گے۔ باقی سب جھوٹ تھا۔ ڈاکو سچ مچ منیجر کو گن پوائنٹ پر اندر لے گئے تھے اور اُسے ناک آؤٹ کر کے فرار ہو گئے تھے۔ ان کو نقد رکھنے کی اجازت تھی مگر پرائز بانڈز اور این آئی ٹی یونٹ وغیرہ صاعقہ کے والد کو پہنچائے گئے تھے۔ وہ تقریباً بارہ لاکھ لے گئے اور دو لاکھ کے بانڈز وغیرہ دے گئے جو بعد میں پولیس نے منیجر کے گھر سے برآمد کیے۔ قاسم خان کا بیان سچ ہوا اور جس وقت شہر کے ایک بہت بڑے میٹرنٹی ہوم میں صاعقہ نے جبار کو جنم دیا، اُسی روز جبار کے اصل باپ کو عدالت سے چودہ سال قید کی سزا ہو گئی۔ جبار کی ولدیت کے خانے میں ابوالقاسم خان لکھا گیا۔ بڑی بوڑھیوں نے حساب لگا کے کہا "ستوانسا" ہے۔ اور صاعقہ کی ماں خاموش رہی۔ ابوالقاسم خان بھی خاموش رہے۔ وہ آج تک خاموش تھے۔ اس خاموشی کی انھیں بہت بڑی قیمت ملی تھی۔ دو سال بعد وہ اے وی پی ہو گئے تھے۔ سات سال تک انھوں نے بہترین رپورٹس حاصل کی تھیں۔ صاعقہ بڑی اچھی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ اچھی اس لیے کہ وہ شوہر کو دھکیلتی ہوئی اتنی اچھی پوزیشن تک لے آئی تھی۔

ابوالقاسم خان نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا کہ انھیں آگے دھکیلنے والی بیوی کے ساتھ کون ہے۔ اس گاڑی کو جو کوئٹہ جاتی ہے، صرف ایک انجن اپنے زور میں نہیں کھینچ سکتا۔ پیچھے سے دوسرا انجن اُسے دھکیلتا ہے اور بعض اوقات تیسرا انجن بھی۔ ان کا سفر جاری رہا تھا۔ کتے بھی بھونکتے رہے تھے مگر قافلہ بھی چلتا رہا تھا۔ اب وہ سینئر وائس پریذیڈنٹ تھے۔ چنانچہ بھونکنے والے کتے بھی دُم ہلانے لگے تھے مگر آج اعظم مغیث نے ان کے مُنہ پر کہہ دیا تھا کہ آدمی اپنے آپ سے کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ اپنے آپ سے کیسے کمپرومائز کر سکتا ہے اور اس وقت وہ صاعقہ سے نظر نہیں ملا سکے تھے۔ وہ اکثر خود سے سوال کرتے تھے کہ انھوں نے یہ سب کیوں کیا۔ اپنی محرومیوں کا انتقام لینے کے لیے؟... نہیں... محرومیاں تو آج بھی ان کے ساتھ چل رہی تھیں۔ مثلاً وہ اس گھر پر حقِ ملکیت اور حاکمیت کی غرور آمیز آسودگی بخش خوشی سے محروم تھے، جہاں وہ عملاً ہیڈ آف دی فیملی ہوتے۔ ایک ایسی فیملی کے جس میں اطاعت گزار، وفاشعار اور مشرق کے سانچے میں ڈھلی ہوئی مثالی بیوی ہو۔ ہونہار اور قابلِ فخر بیٹا ہو اور وہ بیٹی ہو جس کی معصومیت اور پاکدامنی کی قسم فرشتے بھی کھا سکیں۔ کیا انھوں نے دنیا سے انتقام لیا تھا۔ نہیں... دُنیا بدستور کمینی اور بے رحم تھی۔ ان کی زندگی کے سارے بدصورت سچ انہی کے سامنے دُہراتی تھی۔ پھر کیا وہ عزت چاہتے تھے؟... نہیں۔ پھر کوئی بھی ان کی عزت نہیں کرتا۔ ان کو سلام کرنے والے مجبور ہیں۔ ان سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ بہت سے اختیارات رکھتے ہیں۔ عزت تو بے غرض ہوتی ہے جیسے محبت بے غرض ہوتی ہے۔ پہلے بات تھی فیض احمد فیض کی۔ اب ہے گلوکار مہدی حسن کی۔ مصور اقبال مہدی کی۔ عمران خان کی... اور عزت

کے ساتھ ہی شہرت ملتی ہے۔ بنکار صنعت کار مشہور نہیں ہوتا فنکار مشہور ہوتا ہے۔
اصل بات یہ تھی کہ ابوالقاسم خان کو دولت کی ہوس نے مارا۔ صاعقہ کا حسن بھی ایک دولت تھا جس نے انھیں بےبس کر دیا... وہ ڈرتے رہے کہ کہیں یہ دولتِ حسن ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ پھر حسن کا ایسا بے بہا خزانہ انھیں کہاں ملے گا۔ بارہا انھوں نے محسوس کیا کہ اس حسن کی دولت کی پہریداری بہت مشکل کام ہے۔ اس خزانے کے نہ جانے کتنے در تھے۔ وہ کہاں کہاں نظر رکھتے۔ چور تو مال دیکھ کر آتے ہی ہیں اور جتنا ملے لے اُڑتے ہیں۔ مگر ابوالقاسم خان تو چوری ڈاکے کی واردات کا علم ہونے کے بعد بھی دل مسوس کے اور سرد آہ بھر کے صبر کر لیتے تھے کہ چلو جو گیا' سو گیا۔ جو بچا' وہ بھی بہت ہے اور اپنا ہے۔ صاعقہ ان کی مجبوری تھی' بےبسی تھی۔ ان کے ارادوں اور سوچ کی زنجیر تھی اور ان کے لیے ناگزیر تھی سا ایسا نہ ہوتا تو وہ کب کا صاعقہ کو قتل کر کے ٹھکانے لگا چکے ہوتے۔ ان کے ہاتھ بہت لمبے اور وسائل لامحدود تھے۔ بدمعاش اور قاتل کہاں ملتے ہیں' کس بھاؤ ملتے ہیں اور کیسی "گڈوِل" رکھتے ہیں، یہ سب انھیں معلوم تھا۔ پھر بھی وہ کچھ نہ کر سکے۔ تمام عمر صاعقہ کے اشارۂ ابرو کے غلام رہے۔ زن مرید اور جورو کے غلام... زر خرید اور نہ جانے کیا کیا سب کچھ کہلائے۔ انھوں نے صاعقہ کے کتنے پرستار کے لیے بھی وہ سب کیا جو اُن کو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ان کے اندر کا مظلوم مرد گھر سے نکلتے ہی باہر آ جاتا تھا اور ایک نادر شاہی قسم کی پُرہیبت فضا قائم کر لیتا تھا۔ وہ ایک انتہائی سخت گیر افسر مشہور تھے۔ غصے کے بہت تیز سمجھے جاتے تھے جو "محرم رازِ درونِ مے خانہ" نہیں تھے' وہ سوچتے تھے کہ ایسا شخص گھر میں بیوی بچوں کا کیا حشر کرتا ہوگا۔ اس نے تو سب کے لیے گھر کو جہنم بنا رکھا ہوگا۔ جبکہ صورتِ حال بالکل برعکس تھی۔ گھر صرف ان کے لیے جہنم تھا۔

صاعقہ کے آنے سے وہ چونکے۔ ان کی نظر عادتاً کلاک کی طرف گئی جس میں دو بجنے والے تھے۔

"ارے... آپ جاگ رہے ہیں ابھی تک۔" صاعقہ ہنسی۔

"تم کہاں سے آ رہی ہو؟"

"وہ اپنے نیازی صاحب کی وائف ہیں نا... وہ جو یونین بنک کے ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ ان کی نئی کوٹھی بنی ہے کلفٹن پر۔ ہاؤس وارمنگ تھی۔ تم اتنی دیر سے آئے کہ مجھے اکیلے جانا پڑا..."

صاعقہ نے لباس بدلتے ہوئے بات جاری رکھی۔ وہ پلک جھپکائے بغیر دیکھتے رہے۔ رنگِ پیراہن کا خوشبوئے زلف لہرانے کا نام... چوڑیوں کی جھنکار اور ہنسی کی جلترنگ کا نام۔ رنگِ مرمر اور گلاب کا نام۔ متحرک و متلاطم مچلتے سمندر پر اترنے والی چاندنی کا نام۔

"کچھ پریشان ہو...؟" صاعقہ نے پلٹ کے کہا۔

"ہاں... ہاں... وہ خبیث اعظم... اس نے جبار کو نہیں لیا۔"

"پھر کیا ہوا۔ دس دن بعد ریلائنس کپ کے سلسلے میں ہم ٹورنامنٹ شروع ہو رہا ہے۔" صاعقہ بولی۔

"وہ بہت خودسر اور ضدی آدمی ہے!" قاسم خان نے کہا۔

"اور تم بھی اس کے سامنے خودسری اور ضد چلاتے ہو۔ یہ بھی کوئی طریقہ ہے، ایسے آدمی کو ہینڈل کرنے کا۔" صاعقہ نے لائٹ آف کردی۔ "تیزاب کے اثر کو تیزاب ختم نہیں کرتا۔ الکلی ختم کرتی ہے۔ سائنس پڑھی تھی تم نے؟"

ابوالقاسم خان نے ایک سرد آہ بھری۔ پڑھا تو نہ جانے کیا کچھ تھا مگر کام کچھ نہ آیا۔ جو رہی تو بے خبری رہی۔ اعظم جیسے لونڈے کو بھی اب صاعقہ ہینڈل کرے گی۔ اسے تجربہ تھا۔ اس نے نہ جانے کتنے ٹیڑھے مردوں کو ہینڈل کیا تھا، یہ لونڈا کیا ہے۔ اسے تو شاید رانی بیٹی ہی ہینڈل کرے گی پھر وہ سو گئے۔

صبح انھوں نے سوچا کہ وہ بینک جاتے ہوئے گراؤنڈ کا چکر لگاتے جائیں گے مگر ان کا موڈ نہیں بنا۔ ان کی موجودگی یا غیر حاضری سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جو کچھ کرنا ہے وہ گیارہ کھلاڑیوں کو کرنا ہے۔ ایک پیٹرن کی حیثیت سے وہ دوپہر کے بعد کسی وقت جا کے صورت حال دیکھ لیں گے۔ سینئر وائس پریذیڈنٹ کے عہدے کا تقاضا تھا کہ وہ کچھ دیر کے لیے جا کے آجائیں۔ بالکل اسی طرح جیسے چیئرمین کا فائنل سے پہلے ہر میچ میں جانا اس کی وقعت کو کم کرتا ہے۔ وہ فائنل کا اختتامی حصہ دیکھنے جائیں گے۔ دونوں متحارب ٹیموں کے سرپرست اعلیٰ، نتائج سے قطع نظر وہ انعامات دیں گے۔ ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کے نیک خواہشات کا اظہار کریں گے اور تالیوں کے درمیان رخصت ہو جائیں گے۔

اعظم البتہ صبح آٹھ بجے بالکل تیار ہو کے گراؤنڈ پر پہنچ گیا تھا۔ میچ نو بجے شروع ہونا تھا۔ اور لنچ کا وقفہ ایک بجے رکھا گیا تھا۔ چار گھنٹے کے اس کھیل میں ہر ٹیم کو پچاس پچاس اوور کرنے تھے اور کھیلنے تھے۔ دوسری اننگ کا وقت ایک بجکر چالیس منٹ سے پانچ بجکر چالیس منٹ تک تھا۔ پویلین کے سامنے گراؤنڈ میں ایک طرف یونین بینک والے پریکٹس میں مصروف تھے دوسری جانب احباب بینک کے کھلاڑی بے حد پُراعتماد اور مستعد خود کو وارم اپ کر رہے تھے۔ پویلین ابھی خالی تھا اور منتظمین کے یا کھلاڑیوں کے ساتھ آنے والے چند افراد خانہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ اعظم بھی صرف افشاں کو موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھا کے لایا تھا اور اسے پویلین میں سب سے آگے والی صف کی ایک کرسی پر بٹھا کے سختی سے تاکید کر آیا تھا کہ وہ ادھر ادھر گھومنا پھرنا شروع نہ کرے، جیسا کہ اس کی عادت تھی۔

"یہ کیسا میچ ہے بھائی جان؟" افشاں نے کہا۔ "کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں، نہ چاٹ، نہ دہی بڑے۔"

"ابھی گھر سے ناشتا ٹھونس کے آئی ہے۔" اعظم نے اسے ڈانٹا۔ "اور یہ اسٹیڈیم ہے، بوہری بازار نہیں ہے۔"

"مگر جب ہم پہلے آئے تھے تو اسٹیڈیم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔" وہ بولی۔ "آپ کا سب نے بائیکاٹ کر رکھا ہے کیا؟ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ اتنے اَن پاپولر ہیں۔"

"اب معلوم ہو گیا نا؟" اعظم چڑ کر بولا۔ "واپس چھوڑ آؤں گھر؟"

"نہیں... اب تو دن غارت ہو گیا۔" وہ بولی۔ "آپ بھی جائیں۔ وقت ضائع نہ کریں۔"

اعظم نے ٹیم کے ارکان کی صورتوں کو دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ تبدیلی دہ کہ اس نے فتح کے نفسیاتی اسباب تو پیدا کر دیے ہیں۔ وہ کسی ایک خاندان کی طرح یگانگت اور اعتماد کے جذبے سے سرشار تھے، بہت پُرامید تھے اور خوش تھے۔ ایک طرف دونوں اوپن کرنے والے باؤلر دونوں اوپن کرنے والے بیٹسمینوں کو مسلسل باؤلنگ کرا رہے تھے۔ وہ صرف گیندیں روک رہے تھے۔ ان دونوں کے پیچھے ایک اکیلا وکٹ کیپر تھا جو کبھی ایک طرف ڈائیو مار کے مس ہو جانے والی گیند پکڑتا تھا تو کبھی دوسری طرف۔ باقی پانچ کھلاڑی ایک ساتھ چار گیندوں سے کیچ کی مشق میں مصروف تھے۔ وہ ایک دائرے میں کھڑے ہوئے تھے اور چار گیندیں اس دائرے میں یوں گردش کر رہی تھیں کہ ایک کھلاڑی اپنے دائیں طرف گیند پھینکتا تھا اور پھر ایک دم بائیں طرف سے آنے والی گیند پکڑنے کے لیے لپکتا تھا۔ سیکنڈ کے سویں حصے کی تاخیر سے گیند گر جاتی تھی یا اس کے پاس دو گیندیں جمع ہو جاتی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں کو اٹھا سکے باقی دو پیچھے آ جاتی تھیں اور سب ہنسنے لگتے تھے۔ یہ برق رفتاری، تیزی سے پلٹنے، جھپٹنے، کیچ کرنے، ڈائیو مارنے کا ایسا چکر تھا جس میں نظر کا انتہائی تیز ہونا ضروری تھا۔ غالباً "تیز نظر کو شارپ سائٹ" کا صحیح متبادل نہیں ہے۔

اعظم نے اپنے سب سے قابل اعتماد دوست اور وائس کیپٹن سے آج کے کھیل کی "اسٹریٹیجی" پر صلاح مشورہ شروع کیا۔

"ابھی وکٹ میں باؤنس ہے۔" وائس کیپٹن نے کہا۔ "دوسری اننگ تک ٹھیک کھیلے گی۔ پیس اٹیک اچھا چلے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ ٹاس جیتنے کی صورت میں ہم فیلڈ کریں۔" اعظم نے آسمان کی طرف دیکھا جس پر بادل گھر رہے تھے۔ "بال سوئنگ لے گی۔"

"ہاں، ہیوی ایٹماسفیر کا فائدہ ہوگا۔"

"ہوا تیز بھی ہو سکتی ہے۔" اعظم نے کہا۔ وہ دونوں ڈسکس کرتے رہے کہ کس باؤلر کو کس اینڈ سے پہلا اوور دیا جائے۔

"جبار پھر بارھواں کھلاڑی ہو گیا۔" وائس کیپٹن ہنسا۔

"میں تو نہ ہونے دیتا بارھواں بھی۔ وہ کوئی اتنا اچھا فیلڈر

نہیں ہے۔ بس اس کے باپ پر ترس آ گیا۔" اعظم بولا۔
" باپ نے زور تو لگایا ہوگا' اس کی جگہ بنانے کے لیے؟"
" ایسا ویسا؟ وہ تو فاروق منیر صاحب کی سپورٹ تھی، ورنہ ڈیڈی نے تو اُسے نمبر سکس یا سیون تک پہنچانے کے لیے بڑی بلڈوزنگ کی تھی۔ مجھے بہت سخت اسٹینڈ لینا پڑا مگر یار قاسم نے تو حد کر دی۔ بیوی اور بیٹی کو میرے پیچھے ہی لگا دیا... دونوں مصیبت۔" اعظم قہقہہ مار کے ہنسا: "مگر میں نے صاف انکار کر دیا۔"
" یار اگر تیری بیوی کہتی جبار کے لیے پھر...؟"
" بیوی کیوں کہے گی اس بے دُم کے بندر کے لیے؟" اعظم بولا۔
" فرض کرو وہ اپنے بھائی کے لیے کہتی۔"
" اس کا بھائی... وہ میرٹ پر آ جاتا... مجھے معلوم ہے... بیوی کو کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی... لیکن وہ کہتی تو... تو میں اپنی جگہ خالی کر دیتا۔ کہ میں وہ گیارھواں کھلاڑی ہوں جو تمھاری خواہش کے احترام میں اپنے کیریئر کی قربانی دے سکتا ہے اور تمھارے بھائی کو گیارھویں کھلاڑی کے طور پر شامل کر سکتا ہے۔ لیکن میں کسی اور کا کیریئر داؤ پر نہ لگاتا۔" اعظم نے کہا۔
" یہ جبار کس سے باتیں کیے جا رہا ہے اتنی دیر سے؟" وائس کیپٹن بولا۔
اعظم نے پلٹ کر دیکھا بے اختیار اس کے ہونٹوں سے ایک گالی نکلی کیونکہ جبار پوری یونیفارم میں افشاں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اس کی نہ جانے کس بات پر افشاں کھلکھلا کے ہنسی۔ اعظم پویلین کی طرف بڑھا۔ جبار نے اور افشاں نے اُسے دیکھا تو وہ سامنے آ چکا تھا۔
" یہ کیا کر رہے ہو تم؟" جبار نے سخت لہجے میں کہا۔
" کچھ نہیں..."
" یہ کچھ نہیں کرنے کا وقت ہے؟" اعظم پھٹ پڑا۔ "باقی سب گدھے ہیں جو پریکٹس کر رہے ہیں۔ تم بارھویں کھلاڑی ہو تمھیں صرف اور صرف فیلڈنگ کے لیے بلایا جائے گا۔ ناؤ گیٹ اپ ورنہ میں تم کو گھسیٹ کے لے جاؤں گا۔ آئی ڈیم کیئر کہ تمھارا باپ کون ہے۔"
جبار کا چہرہ اتنی بے عزتی کے بعد اس مجرم کی طرح ہو گیا تھا جس پر فردِ جرم عائد کر دی گئی ہو لیکن بھائی کے موڈ کو دیکھ کر افشاں کا رنگ بھی اُڑ گیا تھا۔ جبار آہستہ آہستہ نیچے آیا اور گراؤنڈ میں اتر گیا۔ اعظم کی آواز نے بہت سے لوگوں کو متوجہ کیا تھا۔ نہ جانے کس نے کہا: "یار بہن ہے اعظم کی۔"
" اچھا! اس پہ ڈورے ڈالنے پہنچ گئے جبار خان..." کوئی اور ہنسا۔
" سنا تم نے؟" اعظم نے غصے سے افشاں کو گھورا۔
" میری کیا غلطی ہے اس میں؟ آپ ہی چلانے لگے تھے۔" افشاں کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

میچ سے پہلے ایک ٹیم کا کپتان امپائر سے باتیں کر رہا تھا۔
" دیکھیے جناب، میں چاہتا ہوں کہ امپائرنگ اصول اور قوانین کے مطابق ہو لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس گراؤنڈ کے ایک طرف اسپتال ہے، دوسری طرف قبرستان ہے، عقب میں نہر بہہ رہی ہے اور ہم نے اس سیزن میں اب تک کوئی میچ نہیں ہارا ہے۔"

" گویا غلطی میری تھی... بے وقوف لڑکی' تم سب کی نظر میں ہو" وہ آہستہ سے بولا۔
" یہ آپ کو خیال رکھنا چاہیے تھا" افشاں نے منہ پھلا کے کہا "خواہ مخواہ ایک شریف آدمی کو بھی بے عزت کر دیا۔"
" ویری گڈ... دو منٹ میں تم نے تسلیم کر لیا کہ وہ شریف آدمی ہے۔ اب میں کیا بتاؤں تمھیں۔" اعظم نے کہا۔ وہ کچھ اور کہتا لیکن گراؤنڈ سے دوسری ٹیم کے کیپٹن نے اُسے ٹاس کرنے کے لیے بلایا۔ اعظم نے فوراً ایک گہری سانس لی اور اپنے غصے کو پریشر ککر کی فاضل اسٹیم کی طرح خارج کر دیا۔ اُسے بالکل ٹینس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ٹینشن میں فیصلے غلط بھی ہو جاتے ہیں۔ وہ افشاں کی طرف دیکھ کے مسکرایا۔ "ناٹی گرل۔" اور ٹاس کرنے چلا گیا۔
مخالف ٹیم کے کیپٹن نے پچاس پیسے کا سکہ اچھالا۔ "یہ میرا لکی کوائن ہے۔"
" ہیڈ..." اعظم حفیظ نے اوپر فضا میں اُڑنے والے سکے کو دیکھا جو اب زخمی کبوتر کی طرح پھڑپھڑاتا نیچے گر رہا تھا۔
" یو ون۔" مخالف ٹیم کے کپتان نے نیچے جھک کر مایوسی سے کہا اور اپنے لکی کوائن کو اعظم کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "یہ یوزفل ہے۔"
اعظم ہنسا: "پیسہ ہاتھ کا میل ہے لیکن میں تمھاری طرف سے یہ شیلڈ سمجھ کے رکھتا ہوں۔" اس نے سکے کو جیب میں ڈال لیا۔
" تم بیٹ کرو گے؟" دوسرا کپتان اس کے ساتھ واپس چل پڑا۔
اعظم نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم بیٹ کرو۔"
" مجھے بھی امید تھی۔ اٹ از ناٹ مائی لکی ڈے۔" وہ بولا۔
تو پیچھے پویلین میں تماشے لوگ آ گئے تھے۔ ہر پلیئر کے گھر سے خواتین آئی تھیں۔ ان کی بیویاں، بہنیں اور مائیں... بعضوں کی

سہیلیاں جو کسی کی محبوب نظر تھیں یا پوری پیچھے کسی پہ مرتی تھیں۔ گھر گھر طرز دیکھتے دیکھتے گلیمر کا سمبل بن گئے تھے اور لڑکیاں فیشن میں ان پہ فریفتہ ہو رہی تھیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کبھی وحید مراد کو خوابوں اور خیالوں میں سجائے پھرتی تھیں۔ اعظم نے صدر میں خاصی مہذب اور تعلیم یافتہ اچھے گھروں کی لڑکیوں کو اسٹال اسٹال بھٹکتے اور پریشان حال دیکھا تھا۔ اوہ ڈیئر عمران اور میاں داد کا پوسٹر تو ہے۔ ظہیر عباس کا نہیں مل رہا ہے۔ افشاں اب انہی لڑکیوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی اور ہمیشہ کی طرح اس نے سب سے بے تکلف ہونے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ دائیں بائیں اور آگے پیچھے بیٹھی ہوئی سب لڑکیوں نے ایک حلقہ قائم کر لیا تھا اور اب وہ ایک ساتھ اپنی اپنی زبان کی قینچی چلا رہی تھیں۔

پویلین کے دائیں بائیں دونوں بنکوں کے حامی جمع ہو رہے تھے کچھ جوشیلے بنک کے ملازمین تھے جو ڈیوٹی چھوڑ آئے تھے۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ ان کے باقی ساتھی اضافی کام سے نمٹنے کے لیے کیا کریں گے۔ باقی کھلاڑیوں کے دوست تھے اور دوستوں کے دوست تھے جو بطور خاص ہلڑ مچانے کے لیے بلوائے گئے تھے اور ابھی سے بگل بجا رہے تھے اور وہ جوکروں والی ٹوپی پہن کے ناچ رہے تھے۔

اعظم ڈریسنگ روم سے نکلا ہی تھا کہ اس نے رانی کو دیکھا۔ دوسرے لمحے رانی نے اس کا بازو تھام لیا۔

"مجھے کچھ دیر ہو گئی نا۔" وہ اعظم کو کھینچنے لگی۔ "چلو، مجھے سب سے ملواؤ۔"

"ملواتا ہوں مگر یہ تم کیا کر رہی ہو؟" اعظم نے گھبرا کے کہا۔

"کیا کر رہی ہوں؟" رانی نے ایک ہاتھ سے اپنے بال سمیٹ کر پیچھے کیے۔

"میرا ہاتھ تو چھوڑ دو... لوگ دیکھ رہے ہیں۔"

"لوگ... اونہہ... لیٹ ایوری باڈی گو ٹو ہیل۔" وہ بولی اور اس نے اپنا ایک بازو پھر مضبوطی سے اعظم کے بازو میں ڈال دیا۔ "میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

"لیکن میں ڈرتا ہوں۔" اعظم نے ترشی سے کہا اور پھر ایک جھٹکے سے بازو چھڑا کے آگے چل پڑا۔ خفت سے اس کا حال برا ہو رہا تھا اسے یقین تھا کہ افشاں نے بھی یہ منظر دلچسپی اور حیرت سے دیکھا ہو گا۔ رانی نے غضب کا سنگھار کیا تھا۔ جیسے اسے اسٹیڈیم میں میچ نہیں دیکھنا، ٹی وی ڈرامے کی ریکارڈنگ میں حصہ لینا ہو۔ اس نے کسی بوتیک سے زرد رنگ کے ساٹن کی قمیص خریدی تھی۔ جس کا دامن ایک تکون کی شکل میں شلوار کے آگے پیچھے تقریباً گھٹنوں پہ ختم ہو جاتا تھا۔ نیچے سرخ چارخانے والی دھوتی شلوار تھی اور بس۔ ساٹن کی قمیص کے نیچے وہ خود تھی اور اسے ہر شخص اپنی تمام حشر سامانی کے ساتھ دیکھ سکتا تھا۔

رانی اس کے پیچھے لپکی۔ "ڈونٹ بی رِیوڈ... میں تم کو چھوڑنے والی نہیں ہوں۔ اور تم نے یہی بے رخی کا انداز رکھا تو میں تم سے چمٹ جاؤں گی... ٹیلا کی طرح... ٹیلا سے سب دیکھیں، تصویریں لیں اور کل کے اخباروں میں چھاپ دیں۔"

"اچھا اچھا..." اعظم نے ڈر کے کہا۔ "میں تمھیں انٹروڈیوس کراتا ہوں۔"

وہ اعظم کے ساتھ یوں رہی جیسے کسی وی آئی پی کے ساتھ اس کی بیوی ہو۔ اس نے فرداً فرداً ہر پلیئر سے ہاتھ ملایا اور اعظم کسی سے نظر نہ ملا سکا۔ وہ سب اس کے ماتھے پہ پسینے کی نمی دیکھ کر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا رہے تھے۔ سب کی نظروں میں ایک ہی سوال تھا... اب بولو بیٹا... جبار سے تو بچ گئے، اس حسین بلا سے کیسے دامن چھڑاؤ گے۔ باس کی بیٹی ہے نا؟ یہ دھوش لائن بالکل کلیئر ہے۔ لگی بوائے۔ عیش پلس کیش... چھوکری اور دو دو۔"

"بھائی جان!" افشاں نے ایک طرف سے کھڑے ہو کے چیخ ماری اور اعظم کا دل ڈوب گیا۔ اسے بھی اسی بات کا ڈر تھا۔ افشاں اور شرارت سے باز رہے، اس نے جانتے بوجھتے یہ حرکت کی تھی۔ یہ جتانے کے لیے کہ وہ سب دیکھ رہی ہے اور سب کو دکھانا بھی چاہتی ہے کہ وہ کون ہے۔ اعظم نے دیکھا تو وہ کسی وجہ کے بغیر اتنے جوش سے ہاتھ ہلا رہی تھی جیسے ریلوے اسٹیشن پر اسے سی آف کر رہی ہو۔

"شی از یور سسٹر۔" رانی نے بے حد مسرت سے کہا۔ "ہاؤ کیوٹ... میں اسی کے پاس بیٹھتی ہوں۔ تم جاؤ۔" اس سے پہلے کہ اعظم کچھ کہتا، رانی نے افشاں کی جانب یلغار کی۔ اس نے کسی کی پروا کیے بغیر کئی کرسیوں پہ پاؤں رکھ کے اگلی قطار کی کرسی پر قدم رکھا۔ کئی لڑکیوں کے جوتوں اور پیروں پہ سے گزری... ان کی سنے بغیر وہ افشاں کے پاس پہنچ کے زبردستی بیچ میں فٹ ہو گئی۔ کرسی کوئی خالی نہ تھی۔ چنانچہ اس نے دائیں طرف بیٹھی ہوئی لڑکی کے پیر ہٹائے اور اپنی جگہ بنا کے پھیل گئی۔ دو کرسیوں پر تین لڑکیاں پھنس گئیں مگر رانی کسی کی طرف دیکھے بغیر افشاں سے ہاتھ ملا رہی تھی اور اسے بتا رہی تھی کہ وہ کون ہے۔ افشاں کی نئی سہیلیوں نے اس "گھس بیٹھ" پر واجبی سا احتجاج کیا اور پھر تھوڑا بہت کھسک کے رانی کے لیے ایک کرسی خالی کر دی۔

اعظم بیٹھا ہی تھا کہ رانی نے کھڑے ہو کر چلانا شروع کیا۔ "اے اعظم..." اس نے دونوں ہاتھ منہ پہ بھونپو کے انداز میں رکھ کے چیخ ماری۔ "ممی آئیں گی دوپہر کے وقت لنچ لے کر... افشاں کھائے گی ہمارے ساتھ... او کے؟"

"الو کی پٹھی!" اعظم نے اسے دل ہی دل میں سیکڑوں گالیاں دیں مگر رانی اس کی پوزیشن جتنی آک ورڈ کر سکتی تھی کر چکی تھی۔

غیر متعلق تماشائی اب اوٹ پٹانگ نعرے لگا رہے تھے اور سیٹیاں بجا رہے تھے۔ "ہم بھی کریں گے پنچ۔" کوئی چلّایا۔

"ریڈ اینڈ بلو... تسکین اور ذائقے کے لیے۔" کوئی بولا اور بہت سے لوگوں کے قہقہوں کے درمیان آواز آئی۔ "باذوق لوگوں کی پسند۔"

"تو یہ ٹماٹر ہیں۔ آتی انتی میسی ...۔" والس کیپٹن نے کہا اور اس وقت وہ سب گراؤنڈ کی طرف جا رہے تھے۔

"یار خدا کی قسم، کل پہلی بار ملا تھا اس سے...۔" اعظم نے مشتعل ہونے سے گریز کیا۔ "اس وقت تو کچھ کر نہیں سکتا۔"

"بعد میں بھی کچھ مت کرنا۔" والس کیپٹن ہنسا۔

"سوائے تو میرزح کے۔" وکٹ کیپر نے بال کو اچھال کے پکڑ لیا۔ اعظم کے وجود میں اشتعال کی ایک لہر اٹھی لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔ اگر اس کو پروا نہیں تو میں کیوں ڈروں۔ جس کا جو دل چاہے کہے۔ وہ اپنی فیلڈ سیٹ کرنے لگا۔ تین سلپ... گلی... پوائنٹ... مڈآف... مڈآن... ڈیپ کور... تھرڈ مین... پہلے چند اوورز میں اٹیکنگ فیلڈ ضروری تھی۔ باؤلر نے اطمینان سے سر ہلایا۔ مخالف ٹیم کے بیٹسمین نے لیگ اسٹمپ کے لیے امپائر سے لائن مانگی۔ بیٹ اٹھا کے ادھر ادھر دیکھا۔ اعظم آہستہ آہستہ وکٹ کراس کر کے اپنی فرسٹ سلپ کی پوزیشن میں جا کھڑا ہوا۔ اس وقت تک باؤلر اپنے اسٹارٹ پر پہنچ کے نشان لگا چکا تھا اور اب ایک ساتھ دونوں ہاتھ گھما کے وارم اپ ہو رہا تھا۔

پہلی گیند لیگ سائڈ پر وائڈ ہو گئی۔ باؤلر نے معذرت آمیز نظروں سے اعظم کی طرف دیکھا۔ گیند اتنی ٹرن نہیں ہوئی تھی، جتنی باؤلر کو امید تھی۔ لیکن یہ بھی اچھا ہوا کہ اٹھی نہیں ورنہ بیٹسمین نے اسے لیگ پر پوری قوت سے پُل کرنے کے لیے بڑے اچھے فٹ ورک کا مظاہرہ کیا تھا۔ بال اس کے بیٹ کو چھو بھی سکتی تھی۔ وکٹ کیپر نے بائیں طرف ڈائیو کیا اور دو گز پر رول کر کے گیند لے لی۔ پہلا رن ایکسٹرا ہو گیا۔ اعظم نے تھرڈ سلپ کو تھوڑا سا گلی کی طرف موو کیا اور تھرڈ سلپ سے والس کیپٹن کو اسکوئر لیگ کی جانب بھیج دیا۔ دوسری بال صحیح لائن اور لینتھ پر آئی۔ بیٹسمین نے اٹھتی ہوئی بال کو تیزی سے پیچھے ہٹ کے دبایا۔ اگر کوئی فیلڈر شارٹ لیگ پر ہوتا تو یہ کیچ لے سکتا تھا۔ اوور کی باقی چار بالیں بہت خوبصورت تھیں۔ دو بار بیٹسمین بیٹ ہوا۔ آخری بال شارٹ تھی اور ایک دم اٹھی مگر ہوشیار بیٹسمین نے پہلے سے باؤنسر کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس نے سیدھے پیر پر گھوم کے ہک کیا۔ بال گولی کی طرح لیگ سائڈ کی باؤنڈری پار کر گئی۔ یونین بنک والے چلّانے لگے۔ "مار مار کے بھُس بھر دے۔ بال چپٹی کر دے۔"

دوسری طرف سے پہلے اوور میں تین رن بنے۔ دو رن تیسرا بال پر۔ ایک آخری بال پر... اب وہی بیٹسمین پہلے باؤلر کا دوسرا اوور کھیلنے کے لیے سامنے آ گیا۔ وہ رِسک کھیلنے والا نہیں تھا اور کسی حد تک ٹیکسٹ بک اسٹائل کو فالو کرتا تھا چنانچہ وہ ایک اینڈ پر ڈٹا رہتا تھا۔ وہ اسکور کم کرتا تھا مگر وکٹ نہیں گرنے دیتا تھا۔ یہ ٹیسٹ میچ کے لیے بڑی موزوں کبی نیشن تھی لیکن کسی محدود اوورز کے میچ میں سلو اسکورنگ ایک "ڈس کریڈٹ" بن سکتا ہے۔ اگر وہ فارم میں ہوتا تو کبھی اس طرح آؤٹ نہ ہوتا۔ اس نے آگے بڑھ کے بالکل صحیح ڈیفنسیو اسٹروک کھیلا تھا مگر بال تھوڑی سی شارٹ پڑی اور بڑے اکورڈ طریقے پر اٹھی۔ بیٹ کے اوپر والے حصے پر لگی اور فرسٹ سلپ سے اعظم نے ایک دم آگے بڑھ کے ڈائیو کیا۔ بال زمین کو چھونے ہی والی تھی کہ اعظم کے ایک ہاتھ نے اسے ہتھیلی پر تھام لیا۔ اس نے مٹھی بند کر کے رول کیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کے بال کو اوپر اچھال دیا۔ سات رن پر مخالف ٹیم کے پہلے کھلاڑی کو اس کی بدقسمتی نے یا اعظم کے حیرت انگیز کیچ نے پویلین میں واپس بھیج دیا تھا۔ جاتے جاتے اس نے افسوس سے سر ہلایا اور وکٹ پر اس جگہ کو بیٹ سے تھوڑا سا دبایا جہاں سے بال ایک دم اٹھ گئی تھی۔

دونوں فاسٹ باؤلر... جو درحقیقت میڈیم فاسٹ تھے، چھ چھ اوورز کا پہلا اسپیل کر چکے تو رن ریٹ تین سے کچھ زیادہ تھا۔ بارہ اوورز میں چالیس رن اسکور ہوئے تھے۔ ایکسٹرا ابھی تک... ایک ہی تھا۔ اعظم نے والس کیپٹن سے مشورہ کیا اور لیگ اسپنر

کو ایک اوور دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ اعظم کو غلط لگتا تھا کیونکہ پچ میں ابھی اسپن لینے کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ اُسی ایک اوور میں چودہ رن بنے۔ پہلی بال پر پوائنٹ باؤنڈری پر۔ دوسری بال پر ملتان کے فیلڈر کی مس فیلڈنگ کے باعث دو رن بنے۔ تیسری بال پڑنے سے قبل ہی اعظم نے اندازہ کرلیا کہ اس کا حشر کیا ہوگا۔ وہ خود بھی اس قسم کی بال کو یہی سزا دیتا کہ آگے بڑھ کے ہاف وولی بناتا اور باؤنڈری سے باہر پھینک دیتا۔ چھکا پڑتے ہی یونین بنک کے حامی اور کرائے کے شور مچانے والے آسمان سر پر اُٹھانے لگے 'لُڈی ڈالنے لگے اور "ہے جمالو" کے نعروں پر مٹکنے لگے۔ اُن میں سے بہت سے صرف خواتین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے بھی مضحکہ خیز حرکات کر رہے تھے۔ آخری بال پر بھر چوکا ہو جاتا اور شاید اسی لیے بیٹسمین کچھ آہستہ دوڑے مگر تھرڈ مین کے فیلڈر نے جان لڑا کے بال کو باؤنڈری سے ایک گز دور روک لیا۔ اور ایک ہی ایکشن میں پلٹ کر بڑی خوب صورت تھرو کی جو سیدھی وکٹ کیپر کے ہاتھ میں آئی۔ اس طرح دو ہی رن بنے۔

اعظم نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر دو منٹ کی کانفرنس کی جس میں دونوں فاسٹ باؤلر بھی شریک ہوئے۔ انھوں نے اینڈ بدلنے پر اتفاق کیا اور اعظم پھر اوپنر کو لے آیا۔ یہ تبدیلی سودمند رہی۔ دوسری طرف سے اس کی بال نے آتنی سوئنگ لی کہ بیٹسمین دو بار بیٹ ہوا۔ تیسری بال پر وہ آگے گیا لیکن اس نے بال کی لائن کو بالکل مس کردیا۔ بال تھوڑا سا لیٹ سوئنگ ہوئی اور پیڈ پر لگی۔ اعظم کے ساتھ سلپ کے فیلڈرز۔ وکٹ کیپر اور باؤلر نے ایک ساتھ بڑے زور سے اپیل کی۔ امپائر کا ہاتھ اُٹھا۔ ایک سیکنڈ کے لیے رکا۔ پھر اس کی انگلی بلند ہوگئی۔ پندرھواں اوور... چون رن... دو کھلاڑی آؤٹ... چوتھے نمبر پر کیپٹن خود آگیا۔ وہ بڑا خطرناک اسٹروک پلیئر تھا اور اس کے بارے میں عام مشاہدہ تھا کہ وہ پہلا اوور گزار دے تو پھر رن مشین بن جاتا ہے۔ ابھی اس اوور کی تین گیندیں باقی تھیں۔ اس نے پہلی ہی بال کو ہٹ کرنا چاہا لیکن مڈ وکٹ پر باؤنڈری کی طرف جانے کے بجائے بال گھومتی ہوئی اوپر اُٹھی۔ باؤلر ایک دم پلٹا اور اس نے اچھل کے بال کو دبوچ لیا۔ ملتان کی طرف سے دوڑنے والا کھلاڑی بہت دُور تھا اور یہ کیچ نہیں لے سکتا تھا۔ اعظم نے آگے بڑھ کے باؤلر کو پھرتی اور حاضر دماغی کے اس مظاہرے پر گلے لگا لیا۔ چون رن پر تیسری وکٹ... دوسرے کھلاڑی بڑے جوش و خروش سے ہاتھ ہلا رہے تھے اور باؤلر سے گلے مل رہے تھے۔ ہیٹ ٹرک کے نعرے پویلین کی جانب سے بھی سنائی دے رہے تھے اور احباب بنک کے حمایتی گلا پھاڑ کے یونین بنک والوں سے براہِ راست مخاطب تھے۔ کسی نے ایک بانس پر جوتا لٹکا کے اوپر اُٹھا رکھا تھا اور وہ خود کسی کے کندھے پر سوار تھا۔ "یہ ہے تمہاری ٹرافی' لے لو...!"

دو گیندیں ابھی باقی تھیں۔ ہیٹ ٹرک ہر باؤلر کا خواب ہوتی ہے مگر مسلسل تین گیندوں پر تین وکٹوں کا تماشا برسوں میں ایک بار دیکھنے کو ملتا ہے۔ نیا آنے والا بیٹسمین بھی یہ بات سمجھتا تھا کہ اب اسے کم سے کم ایک بال کو ضرور کھیلنا ہے' کوئی غلطی کیے بغیر۔ اسے ہیٹ ٹرک کو روکنا ہے۔ اس نے اطمینان سے فیلڈ کا جائزہ لیا۔ یہ باؤلر پر اعصابی دباؤ بڑھانے کا اور اس کے نفسیاتی اسپیل کو توڑنے کا مؤثر طریقہ ہے کہ ایکشن سلو کردیا جائے۔ باؤلر نے بالآخر اسٹارٹ لیا مگر وہ امپائر تک پہنچا بھی نہ تھا کہ بیٹسمین وکٹ چھوڑ کے ہٹ گیا۔ باؤلر رک گیا۔ اور امپائر نے بایاں ہاتھ پھیلا کے پیچھے دیکھا۔ اسکرین کے سامنے ایک نیلی وردی والا شخص کھڑا ہوا تھا۔ یہ حرکت دانستہ کرائی گئی تھی۔ وہ کوئی خاکروب تھا جسے یونین بنک کے کسی رمز شناس نے بروقت آگے دھکیل دیا تھا۔ عین اس وقت جب ساری نظریں باؤلر پر تھیں۔ بے چارے اَن پڑھ خاکروب کو بالکل معلوم نہ ہوگا کہ اسے کسی نے وہاں کیوں بھیجا تھا۔ سخت چیخ پکار اور لعن طعن سے گھبرا کے خاکروب اسکرین کے پیچھے غائب ہوگیا۔ یونین بنک والے حلق سے گیدڑ کی آواز نکالنے لگے۔

باؤلر نے دوبارہ اسٹارٹ کی طرف قدم بڑھائے۔ بظاہر میجک اسپیل ٹوٹ چکا تھا اور باؤلر پر کوفت اور جھنجلاہٹ کا اثر ظاہر ہونے لگا تھا۔ اعظم نے اُسے دور سے دو انگلیاں دکھائیں۔ وی فار وکٹری... اور نیچے جھک گیا۔ بال گولی کی طرح آئی۔ بیٹسمین نے بڑے سکون سے اس کی لائن کو دیکھا اور بیک فٹ پر جا کے اسٹریٹ بیٹ کے ساتھ کھیلنا چاہا مگر بال کی سوئنگ اسے دھوکا دے گئی۔ بیٹ اور پیڈ کو چھوتی ہوئی بال نے آف اسٹمپ کو اُڑا دیا۔ اس کے ساتھ ہی طوفان آگیا۔ آؤٹ ہونے والے کھلاڑی نے بے یقینی سے زمین پر گری ہوئی اسٹمپ کو دیکھا اور سر جھکا کے آہستہ آہستہ پویلین کی طرف چل پڑا۔ اعظم نے اور اس کے ساتھیوں نے باؤلر کو کندھوں پر اُٹھا لیا تھا۔ احباب بنک کے حامی دوڑ دوڑ کر گراؤنڈ پر آرہے تھے اور وقتی طور پر کھیل رک گیا تھا۔ آنے والے سو سو کے نوٹ دے رہے تھے اور ہاتھ ملا کے واپس دوڑ لگا رہے تھے۔ امپائرز بے بس کھڑے ہوئے تھے اور اس طوفانِ بدتمیزی کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے جس سے پچ تباہ ہوسکتی تھی۔ انتہائی سخت حفاظتی انتظامات کے باوجود ون ڈے انٹرنیشنل میں اعظم نے جوشیلے تماشائیوں کو ہر جگہ ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔ وہ پولیس کا گھیرا توڑ کر انھیں غچا دیتے ہوئے بھاگتے تھے۔ خاردار تاروں میں اُلجھ جاتے تھے۔ پٹتے تھے اور ہر طرف سے گھِر جاتے تھے تو پکڑ کے باہر لے جائے جاتے تھے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اگلی بار ان کی جگہ نئے مجاہد میدان میں کود پڑتے تھے۔

ایک طرف کھڑے ہوئے اعظم نے لیڈیز سیکشن کی طرف دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے یہ نیا کا دھوکا تھا۔ بگل کی آواز تو پہلے بھی آئی تھی مگر اسے علم نہ تھا کہ اس کی اپنی ہمشیرہ محترمہ یہ موسیقی برپا کر رہی ہیں۔ وہ بھونچکا رہ گیا۔ افشاں اس کے ساتھ آئی تھی اور اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لائی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ افشاں اتنی بے باک ہو جائے گی مگر خربوزی کو دیکھ کر خربوزی نے رنگ پکڑا تھا۔ بگل رانی لائی ہوگی اور کار میں بھول آئی ہوگی۔ بعد میں نکال لانے کے لیے چھوڑ آئی ہوگی۔ اس نے سیٹ پر کھڑے ہو کر بگل بجانا شروع کیا اور افشاں کو بھی غیرت دلائی کہ چلو اُٹھو آخر تمہارے بھائی کی ٹیم کھیل رہی ہے اور بس... مس افشاں بھی جوش میں آگئیں اعظم کے دیکھتے دیکھتے افشاں بیٹھ گئی اور بگل رانی نے لے لیا۔ اس کی نہایت بھونڈی، بے سُری اور سمع خراش صدا سب کو متوجہ کر رہی تھی۔ لیکن اس پر اعظم کو تاؤ نہیں آیا۔ بے ساختہ ہنس پڑا۔ اوور کی آخری بال نے باؤنڈری دیکھی۔ اٹھاون رن پندرہ اوورز میں بنے تھے مگر کھلاڑی چار آؤٹ ہو گئے تھے۔

یہ رن ریٹ کچھ زیادہ تھا۔ ابھی ایک تہائی اوور بھی ختم نہیں ہوئے تھے اور اوسط چار کے قریب پہنچ رہا تھا۔ اس نے دفاعی فیلڈ لینے کا سوچا اور ارادہ ترک کر دیا۔ اسکور سو تک ہونے سے پہلے تین اور کھلاڑی نکل گئے تو آخری تین کیا کریں گے۔ بہت سے گئے تو اسکور کو کھینچ کر ڈیڑھ سو تک لے جائیں گے۔ آخری کھلاڑی بعض اوقات بیٹ کو اندھے کی لاٹھی کی طرح گھماتے تھے اور تُکّے مارتے تھے مگر ون ڈے میں صرف رن اہمیت رکھتے تھے۔ جیسے بھی آئیں انہی بے تُکے شاٹس سے وہ اسکور کو کہیں کا کہیں پہنچا دیتے تھے اور جو کام ریگولر بیٹسمین نہیں کر پاتے تھے وہ ٹیل اینڈر کر جاتے تھے۔

دونوں فاسٹ باؤلرز کے مجموعی طور پر بیس اوورز تھے۔ ایک آٹھ اوور کرا چکا تھا اور اب تک چار وکٹیں اسی نے لی تھیں دوسرے کراتے چھ اوور کیے تھے لیکن اس کی بدقسمتی تھی کہ اسے کوئی وکٹ نہیں ملی تھی۔ اس کا ساتواں اوور شروع ہوا تو مسلسل دو چوکے لگے اور مخالف ٹیم کی یہ پریشر سے نکلنے کی اچھی کوشش تھی۔ رن ریٹ چار سے زیادہ ہو گیا لیکن اوور کی تیسری بال یارکر بن گئی۔ بیٹسمین نے اسے فل ٹاس سمجھتے ہوئے آف میں ڈرائیو کرنے کے لیے بیٹ گھمایا اور بولڈ ہو گیا۔ آدھی ٹیم چھیاسٹھ رن پر آؤٹ ہو گئی۔

اگلے دو اوورز میں مزید آٹھ رن بنے۔ اعظم کو تشویش ہونے لگی۔ کیونکہ رن ریٹ بدستور چار سے زیادہ تھا۔ اس میں شک کی کوئی بات نہیں تھی کہ تیس اوور گزر جانے کے بعد رن بننے کی رفتار ایک دم تیز ہو گی۔ اس نے فیلڈ کو تھوڑا سا پھیلا دیا۔ دونوں کھلاڑی محتاط ہو گئے۔ اگلا اوور میڈن گیا۔ اعظم نے ایک اور تبدیلی کی۔ اس نے باؤلنگ تو دے لی۔ اسے میچ ونگ باؤلر نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن وہ اچھا اسٹاک باؤلر تھا جو ساری توجہ اپنی لائن اور لینتھ پر رکھتا تھا۔ اس کی بال تھوڑا سا کٹ بھی کرتی تھی چنانچہ وہ رن روکنے میں کامیاب رہتا تھا۔ اس کا اوور بھی میڈن گیا۔

ڈرنکس کے وقفے میں اس نے والس کیپٹن سے مشورہ کیا۔ دونوں فاسٹ باؤلرز کا ایک ایک اوور رہ گیا تھا۔ ایک اینڈ اس کے پاس تھا اور وہ ابھی کم سے کم پانچ اوور کرا سکتا تھا۔ دوسری طرف سے کسے لایا جائے؟ اسپنر کو لانے میں رسک تھا۔ پانچواں باؤلر خود والس کیپٹن ہی ہو سکتا تھا جسے اس کے ساتھی مدثر نذیر کہتے تھے۔ پھر مسرت نذیر کہنے لگے کیونکہ اس کا اپنا نام مسرت تھا۔ اور اسے مسرت نذیر سے اب عشق ہوا تھا جب وہ بیس سال بعد وطن لوٹی تھی۔ سب اسے دوسری نسل کا عشق کہتے تھے مگر وہ شور مچاتا تھا کہ یار میرا باپ اس کی صورت پر مرتا ہو گا۔ مجھے تو اس کی آواز سے عشق ہے۔ ہائے وے مرا لونگ گواچا۔

مسرت نذیر نے اعظم کے کہنے کے مطابق پانچ اوور کا بڑا اچھا اسپیل کیا۔ وہ وکٹ تو نہیں لے سکا مگر اس نے صرف سات رن دیے۔ اعظم نے چودہ رن دیے اور ایک وکٹ بھی لے لی۔ تینتیس اوورز کے بعد چھ کھلاڑیوں کے آؤٹ ہونے پر مخالف ٹیم ترانوے رن بنا چکی تھی اور یوں اوسط پھر تین سے قدرے نیچے آ گیا تھا۔ اب وکٹ کچھ سلو ہونے لگی تھی اور دھوپ تیز ہو جانے کے بعد خشک ہونے سے کرمبل کر رہی تھی۔ اعظم نے پھر مشورہ کیا اور اسپنرز کو لے آیا۔

جس لیگ اسپنر نے اپنے پہلے اوورز میں چودہ رن دیے تھے اس نے دوسرا میڈن اوور پھینکا۔ اس کی بال خطرناک طریقے سے ٹرن کرنے لگی۔ دوسری جانب سے لیفٹ آرم آف اسپنر نے پہلا اوور کچھ لوز دیا اور اس میں چھ رن بنے۔ دو یقینی چوکے پوائنٹ اور کور کے کھلاڑیوں نے جان لڑا کے روک لیے۔ اعظم نے محسوس کیا کہ وہ سب ویسی ہی فائٹنگ اسپرٹ کا مظاہرہ کر رہے ہیں جیسا اب پاکستان کی ٹیم کرنے لگی تھی۔ وہ سب جانتے تھے کہ ان کے لیے ڈرا کا مطلب ہے، ٹورنامنٹ سے باہر ہو جانا اور وہ بھی پوائنٹ پر نہیں بلکہ صرف ایوریج پر۔ چنانچہ وہ جیت کے لیے کھیل رہے تھے۔ اس کا ثبوت ترانوے کا اسکور بھی تھا جس میں ایکسٹرا ابھی تک وہی ایک تھا جو پہلی بال کے وائڈ ہو جانے کا نتیجہ تھا۔

رن بننے کی رفتار ایک دم سست پڑ گئی۔ مخالف ٹیم کو اب فکر یہ لاحق ہونے لگی تھی کہ وہ پچاس اوورز پورے کھیل سکیں گے یا نہیں۔ اگلے چار اوورز میں دونوں اسپنرز چھا گئے۔ انھوں نے صرف چھ رن دیے اور ایک وکٹ بھی لے لی۔ ایک کھلاڑی نے چھکا مارنے کی کوشش کی تھی مگر بال اس کے بیٹ پر نہیں آئی اور

لانگ آن باؤنڈری کے فیلڈر نے دس گز دوڑ کے بہت صفائی سے کیچ لے لیا۔ اب اڑتیس اوورز گزر چکے تھے اور اسکور ایک سو گیارہ پر رکا ہوا تھا۔ اگلے بارہ اوورز میں باقی کھلاڑیوں کو کم سے کم چالیس رن کرنے تھے جو کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اعظم کا خیال تھا کہ جب دس اوور رہ جائیں گے تو وہ جارحانہ بیٹنگ کا مظاہرہ کریں گے۔ اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو یہ غلطی ہوگی۔ وہ اپنے حریفوں کو بہت آسان ٹارگٹ دے کر ہار جائیں گے۔

اب جو پلیئرز کریز پر تھے وہ آخری ریگولر بیٹسمین سمجھے جا سکتے تھے۔ حسبِ توقع انھوں نے دونوں طرف سے اسپنرز کو مارنا شروع کیا۔ اس کوشش میں انھوں نے کئی چانس دیے اور بہت سے خطرناک شاٹس بھی کھیلے مگر اب محتاط رہ کے صحیح کرکٹ کھیلنے کا وقت ہی نہیں رہا تھا۔ ہر شاٹ جائز تھا اگر اس پر رن بنتے ہوں۔ اسپنرز کے دس دس اوورز ختم ہو گئے۔ دونوں کھلاڑی دادِ تحسین کے شور میں بدستور کریز پر موجود تھے اور بالترتیب چالیس اور چوالیس رن بنا چکے تھے۔ مجموعی اسکور چوالیس اوورز کے بعد ایک سو ساٹھ تھا۔ تقریباً تین اعشاریہ چھ تین کا اوسط کچھ بہتر لگتا تھا۔ چھ اوورز ابھی باقی تھے اور دونوں کھلاڑی اپنی نصف سنچری بنانے کے موڈ میں تھے۔

اعظم نے فاسٹ باؤلرز کو ایک ایک اوور دینے کا فیصلہ کیا۔ وکٹ میں جان نہیں تھی۔ پہلے فاسٹ باؤلر نے باؤنس لینے کی ناکام کوشش پر پہلی بال پر چار رن دیے۔ اعظم نے اسے قریب جا کے سمجھایا کہ وہ صرف لینتھ صحیح رکھے۔ شارٹ پچ بال کو دفاعی فیلڈ بھی چوکا لینے سے نہیں روک سکے گی۔ اوور ختم ہوتے تک مزید چھ رن بنے اور ایک کھلاڑی کی نصف سنچری بھی مکمل ہو گئی۔ دوسری طرف کے کھلاڑی کو ابھی آٹھ رن درکار تھے۔ اس نے پہلی تین بالوں پر چھ رن بنائے۔ چوتھی بال کو اس نے بڑی قوت کے ساتھ ڈرائیو کیا تھا مگر کور کے فیلڈر نے ایک دم ڈائیو کیا اور گولی کی طرح سفر کرنے والی بال کو روک لیا۔ بیٹسمین دوسرا رن لینے دوڑا تھا کہ تھرو سیدھی وکٹ پر آئی۔ اُنچاس رن کر لینے والے کھلاڑی نے جست لگا کے ڈائیو ماری اور زمین پر گر کے بیٹ کو کریز تک پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کی مگر اس کا بیٹ ابھی زمین سے لگا بھی نہ تھا کہ ڈائریکٹ تھرو نے اسٹمپ گرا دی تھی۔ تھرو کرنے والے کھلاڑی کے ہاتھ میں چوٹ آئی تھی۔ نصف سنچری کی حسرت دل میں لے کر پویلین کی طرف مردہ قدموں سے چلنے والا کھلاڑی احباب بینک والوں کا سارا غل غپاڑا سُن رہا تھا۔ اعظم نے بگل کی آواز پر سر گھما کے دیکھا تو افشاں اور رانی دونوں کرسیوں پر جوتوں سمیت کھڑی ہوئی تھیں۔ رانی بگل بجا رہی تھی اور افشاں اپنے دوپٹے کو سر سے اوپر کسی رنگین پھریرے کی طرح گھما رہی تھی۔ انھیں کسی کی پروا نہیں تھی۔ اعظم اپنی بہن کی شوخی پر حیران تھا۔ شرارت تو وہ ہمیشہ کی تھی لیکن گراؤنڈ میں اس طرح کا ہنگامہ اس نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ شاید اس لیے کہ عموماً وہ تنہا رہتی تھی یا اس کے ساتھ اسی کے جیسی کوئی سہیلی آتی تھی اور وہ تالیاں پیٹنے پر اکتفا کرتی تھیں۔ پروین جب بھی آئی برقع میں آئی اور واپسی پر اس کی افشاں سے جھڑپ ہوئی تھی۔

”منہ میں کیا پان کی گلوری دبا رکھی تھی... حلق سے آواز نہیں نکلی۔ بھائی جان بے چارے آواز سننے کو ترس گئے ہوں گے۔“

”تمھیں تو اپنا ہوش نہیں رہتا۔ لڑکوں کی طرح سیٹیاں بجا رہی تھیں۔“

”کیوں نہ بجاؤں۔ کیا سیٹی بجانا کوئی جرم ہے گناہ ہے؟“

”مگر سب کے بیچ میں...“

”وہاں سب کے بھائی کپتان نہیں تھے جن کے بھائی کھیل رہے تھے ان کو دیکھا تھا؟ تالیاں بھی کیا نزاکت سے بجا رہی تھیں۔“

”تمھارے تو ہاتھ لال ہو رہے ہیں... ایسا بھی کیا۔“

آج اگر ماں افشاں کو دیکھ لیتی تو صدمے سے اس کا بُرا حال ہو جاتا۔ اری لڑکی... وہاں اتنے مردوں کے بیچ میں تو نے اتنی بے حیائی سے دوپٹہ اتار کے جھنڈا بنا لیا؟ شرم نہیں آئی کرسی پر گلا پھاڑ کے ناچتے ہوئے مگر ایک پُرجوش پارٹنر کے ساتھ مل کر خود افشاں کو موقع ملا تھا کہ وہ بھی دل کھول کے بھائی کو داد دے۔ اس کے دونوں خوب صورت حامی سب کی توجہ کا مرکز تھے۔ مگر انھیں واقعی کسی کی پروا نہ تھی۔ اعظم کو یہ سب بُرا نہیں... اچھا لگا۔

بالآخر اُنچاس اوورز کھیلنے کے بعد پوری ٹیم ایک سو پچھتر رن بنا کے آؤٹ ہو گئی جو ٹھیک ساڑھے تین رن فی اوور کا اوسط تھا۔ اعظم خاصا مطمئن تھا کہ یہ کوئی مشکل ٹارگٹ نہیں۔ گزشتہ میچ میں ان کے سامنے چار اعشاریہ دو کا ہدف تھا جو انھوں نے آسانی سے پورا کر لیا تھا تاہم وہ خوف جو کرکٹ کے کھیل میں ڈرامائی عنصر کے کسی بھی لمحہ شامل ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے آخری گیند تک باقی رہتا ہے۔ بڑی بڑی ٹیمیں آسان حالات میں کو پیس ہوتی آئی ہیں اور گزشتہ دو سالوں میں تو پاکستان کی ٹیم ایسے متعدد میچ کھیل چکی تھی جن میں صورتِ حال لمحہ بہ لمحہ بدلتی تھی اور کبھی جیت اچانک ہار کا خطرہ بن کے سامنے آتی تھی تو دوسرے لمحے یہ یقین بھی متزلزل ہونے لگتا تھا۔ ہیڈنگلے کا ٹیسٹ میچ اس کی بہترین مثال تھی... برطانوی پریس نے شائقین کو مفت مشورہ دیا تھا کہ وہ اس یقینی ڈرا ہو جانے والے میچ کو دیکھنے جانے سے بہتر ہے کہ گھر پر آرام کریں اور باغبانی وغیرہ سے دل بہلائیں۔ اس میچ کا انجام ون ڈے میچ سے زیادہ سنسنی خیز ہوا اور معلوم نہیں اگلے دن برطانوی پریس نے عوام کو غلط مشورہ دینے کا کیا خمیازہ بھگتا۔

افشاں کے لیے اعظم نے الگ لنچ کا بندوبست کر لیا تھا مگر وہ لنچ لے کر نکلا تو اسے رانی اور افشاں دونوں غائب نظر آئیں۔

پچھلی طرف کی کھڑکی سے جھانکنے پر اسے وہ دونوں کار پر براجمان نظر آئیں۔ ساتی کار کی چھت پر تھی۔ زرد ساٹن دھوپ میں چمک رہا تھا۔ سرخ شلوار کے ساتھ وہ نیلے رنگ کی کار پر پاؤں پھیلا کے بیٹھی تھی تو رنگوں کا یہ شوخ امتزاج نگاہوں کو خیرہ کرتا تھا۔ افشاں کی قمیص سفید تھی اور اس پر بڑے بڑے سیاہ پھول تھے۔ اس نے سفید و سیاہ آڑی دھاریوں والی شلوار پر تقریباً ایسی ہی دھاریوں والا دوپٹہ لے رکھا تھا چنانچہ ہنڈا بلوک کے نیلے بونٹ پر وہ کلر کنٹراسٹ کا خوب صورت نمونہ پیش کر رہی تھی ۔۔۔ وہ دونوں نہ جانے کیا کھا رہی تھیں۔ سینڈوچ یا ہمبرگر قسم کی کوئی چیز تھی اور ان کے ہاتھوں میں مگ تھے۔ کیا افشاں کافی پی رہی ہے۔ کیا ہوگیا ہے اسے؟ اعظم نے تعجب سے سر ہلایا۔ اسی وقت دونوں لڑکیوں نے اسے دیکھا اور مگ اٹھا کے کچھ کہنے لگیں۔ کار کی کھڑکی میں سے ایک خوب صورت ہاتھ باہر آیا۔ یہ صاعقہ تھی۔ وہ اعظم کو وِش کر رہی تھی۔ اعظم نے اپنا کافی کا مگ اٹھا کے انھیں جواب دیا۔

" اچھے جا رہے ہو پارٹنر۔۔۔" وائس کیپٹن نے پیچھے سے آ کے کہا۔ " لیکن بھائی ایک نہ شد دو شد۔"

" بونٹ پر میری چھوٹی بہن ہے۔" اعظم نے فوراً تردید کی۔

" اوہ۔۔۔ معاف کرنا یار۔" وائس کیپٹن نے سر کھجایا۔ "کیا یہ دونوں بھی سہیلیاں ہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے کچھ خاندانی قسم کے تعلقات ہیں۔ اس کی امی اور تمہاری امی بھی ملتی ہوں گی۔"

" یہ آج پہلی بار ملی ہیں۔ اور میری امی کو قاسم خان کا نام بھی نہیں معلوم ہے کہ وہ کون ہے۔ لیکن تم ان معاملات میں اتنے انٹرسٹڈ کیوں ہو؟" اعظم نے ناگواری سے کہا۔ "کیا میں نے کبھی تمہارے ذاتی معاملات کے بارے میں بات کی ہے؟"

" میں بھی نہ کرتا لیکن آج میں عجیب و غریب باتیں سن رہا ہوں جو مجھے اچھی نہیں معلوم ہوئیں اس لیے کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ تم نہیں کہہ سکتے کہ تم نے کچھ نہیں سنا۔" وائس کیپٹن بولا۔ "ابھی جبار میرے پاس آیا تھا۔ وہ تم سے بات کرتے ہوئے ڈرتا ہے اس نے مجھ سے کہا کہ میں غلط فہمی رفع کرا دوں۔"

" کیسی غلط فہمی؟" اعظم نے کہا۔

" مجھے نہیں معلوم‘ اس نے صرف یہ کہا کہ اعظم کچھ بدگمان ہے۔ میں نے بات کی تو وہ اور بھڑک جائے گا۔۔۔ اب میں اسے بھیجتا ہوں۔"

" ابھی نہیں۔ میں بعد میں بات کروں گا۔۔۔ کھیل کے بعد۔" اعظم نے کہا۔

کھیل شروع ہوا تو جبار اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

" مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔" اعظم اس کی طرف دیکھ کے مسکرایا۔

" لیکن مجھے ہے۔" جبار بولا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ تمہاری بہن ہے لیکن معلوم ہوتا تب بھی کیا قصور تھا میرا۔ میں نے صرف ایک بات کی تھی۔۔۔ کہ اعظم حفیظ کی تصویر چاہیے تو میں لا دوں۔ اس کے آٹوگراف کے ساتھ۔"

" کیا ضرورت تھی تم کو اس قسم کی بات کرنے کی؟"

" میں نے اس سے بات نہیں کی تھی۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی، پیچھے کی طرف۔" جبار بولا۔ "اس نے مجھ سے فرمائش کی تھی۔ وہ لڑکی میری کلاس فیلو ہے اور میں اسی کے بلانے پر گیا تھا بیچ میں افشاں۔۔۔ تمہاری بہن بول پڑی کہ اعظم حفیظ تو بہت بد دماغ، بدتمیز اور مغرور ہے۔ کسی کو نہ آٹوگراف دیتا ہے اور نہ تصویر۔"

اعظم ہنس پڑا۔ "یہ افشاں نے کہا تھا؟"

" ہاں۔۔۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ الو بنا رہی ہے مجھے۔۔۔ اور بہن ہے تمہاری۔۔۔ میں نے کہہ دیا کہ میں آٹوگراف والی تصویر لا کے دے سکتا ہوں۔۔۔ اور وہ ہنس ہنس کے بے حال ہوگئی۔ اسی وقت تم آ گئے۔" جبار بولا۔

تو یہ تھی وہ بات جس پر افشاں بے اختیار ہنسی تھی۔ شریر لڑکی کہیں باز نہیں آتی شرارت سے۔ جبار کو دہری خفت اٹھانا پڑی تھی۔ پہلے اسے اعظم نے سب کے سامنے جھاڑا تھا۔ بعد میں اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ لڑکی تو اعظم کی بہن تھی جسے اس نے آٹوگراف والی تصویر لا کر دینے کی پیش کش کی تھی۔

" اعظم۔۔۔" جبار کچھ دیر بعد بولا۔ "میں بہت اچھا کرکٹر نہیں ہوں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں گیارھواں کھلاڑی نہیں بن سکتا اور بقول تمہارے سارا پینڈ مر جائے پھر بھی نمبر دار نہیں ہو سکتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اچھا آدمی بھی نہیں ہوں۔"

" یہ میں نے کب کہا؟" اعظم نے اسے چونک کر دیکھا۔

" تم میرے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہو؟"

" اگر میں کہوں کہ میں کوئی رائے ہی نہیں رکھتا۔۔۔ نہ اچھی نہ بری۔۔۔ پھر؟"

" ٹالنے کے لیے تم ایسا کہہ سکتے ہو۔۔۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ابوالقاسم خان۔۔۔ میرے والد تم کو پسند نہیں کرتے۔۔۔ اور تم ان کو پسند نہیں کرتے۔۔۔ انھیں کون پسند کرتا ہے۔۔۔ لیکن ان کی فیملی۔۔۔" جبار کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

اعظم دونوں اوپنرز کو دفاعی انداز میں کھیلتا ہوا دیکھتا رہا۔ چار اوورز گزر گئے تھے اور اسکور بورڈ پر ابھی صرف تین رن تھے۔ لنگ کے بعد وکٹ کچھ تیز ہوئی تھی اور یونین بینک کے میڈیم فاسٹ باؤلر اس میں جان پیدا کرنے کے لیے بڑی جانفشانی سے باؤلنگ کر رہے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی تھے کہ انھوں نے تین میڈن اوور لگاتار کیے تھے۔ چوتھے اوور میں دو رن بنے

تھا اور تیسرا ان لیگ بائی کا تھا۔

"تم میری امی سے ملے تھے؟" جبار نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

اعظم نے اقرار میں سر ہلایا۔ "شی از اے کلچرڈ وومن... بہت دلکش شخصیت ہے ان کی۔"

"رانی کے بارے میں پہلی ملاقات کا تاثر بہت غلط ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک سے بے تکلف ہو جاتی ہے۔ حد سے زیادہ بولڈ ہے۔" جبار بولا۔ "مگر کیا تم نے دیکھا تھا کہ وہ اور افشاں... کیا ان کے ظاہری رویے میں فرق تھا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" اعظم کے کان گرم ہونے لگے۔

"میرا مطلب تھا کہ لوگ غلط رائے قائم کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔" جبار نے کہا۔ "اگر تم اپنی بہن کو جانتے ہو تو یہی کہو گے کہ لوگ بکواس کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ آج کہہ رہے تھے اس سے وہ رانی یا افشاں پر گندگی نہیں پھینک رہے تھے۔ وہ خود اپنے اندر کی گندگی کا اشتہار دے رہے تھے۔ اپنی فطرت کو ایکسپوز کر رہے تھے۔ کیا اس سے افشاں پر کوئی الزام آتا ہے۔ آتا ہے تو صرف اتنا کہ وہ بہت زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس کے یہ جذبات تمہارے اپنے لیے تھے، کسی اور کو اٹریکٹ کرنا اس کا مقصد نہیں تھا۔"

"تم سے کس نے کہا ہے افشاں کی وکالت کرو؟" اعظم نے برہمی سے کہا۔

"میں رانی کی وکالت کر رہا ہوں۔" جبار بولا۔ "کیونکہ وہ بھی وہی کر رہی تھی جو افشاں نے کیا تھا۔ تم یا کوئی اور کہہ سکتا ہے کہ اس کا لباس قابل اعتراض ہوتا ہے مگر کیا لباس ہی کردار کی کسوٹی ہونا چاہیے۔ لباس اور فیشن بدلتے رہتے ہیں، ہر ماحول ہر طبقے اور ہر سوسائٹی میں فیشن کا انداز اور معیار الگ ہے کسی غریب پسماندہ علاقے میں فیشن نام ہے ایک جدید وضع کے برقع کا... کچھ لوگ اس پر بھی معترض ہوں گے کہ یہ برقع ہے یا نمائش کا ذریعہ۔ ان کے نزدیک بے پردہ گھومنے والی آوارہ اور بدکردار ہے۔ جہاں لڑکیاں پردہ نہیں کرتیں، متوسط طبقہ کی...... عورت اب پردے سے نکل گئی ہے۔ مگر وہاں بھی آزادی کا تصور محدود ہے۔ لباس میں ایک حد تک فیشن اپنانے کی اجازت ہے۔ وہاں ہر لڑکی طارق روڈ کے کسی بوتیک کے فیشن نہیں پہن سکتی۔ مگر طارق روڈ کے فیشن ڈیفینس اور کلفٹن میں کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ وہاں لڑکیاں رائیڈنگ، ڈرائیونگ اور سوئمنگ سب کرتی ہیں اور والدین کو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔"

اعظم حیرت سے جبار کو دیکھتا رہا اس نے کبھی اعظم سے اس طرح بات نہیں کی تھی۔ اور اس کی بات سن کے اعظم کی رائے جس کا وہ اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا کچھ بدلنے لگی تھی۔ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔

"رانی پتلون قمیص پہنتی ہے تو مجھے برا لگتا ہے مگر پتا نہیں، اس کی کتنی سہیلیاں پہنتی ہیں اور وہ سب شریف لڑکیاں ہیں... آج وہ یہاں جس لباس میں آئی ہے وہ سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اسے لباس دوسرا پہن کے آنا چاہیے تھا جیسے یہاں سب سے شریفانہ کی سند حاصل ہو۔ لیکن ایسا لباس شاید اس کے پاس ہوگا ہی نہیں۔ برا مت ماننا... تم بھی ابھی اسی طبقے کی نمائندگی کرتے ہو جس میں سوچ ذرا پیچھے ہے مگر تم آگے جا رہے ہو۔ ایک دن تم ہماری کلاس میں شامل ہو جاؤ گے۔ یہ سب پیسے سے ہوتا ہے اور پیسہ تمہارے پاس آنے والا ہے۔" جبار نے کہا۔

"مجھے تمہاری بات اپیل کر رہی ہے لیکن میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس وقت یہاں تم کو ایسی باتوں کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" اعظم بولا۔

"میرے پڑوس میں ایک فیملی رہتی ہے۔" جبار نے اپنی بات جاری رکھی۔ "ان کے گھر میں ٹی وی ممنوع ہے۔ ان کے والد کے نزدیک یہ ام الخبائث ہے۔ دوسری ایک فیملی ہے جہاں ماں باپ ان کی بہو... دو جوان بیٹیاں اور پوتے پوتیاں سب غیر سنسر شدہ انگلش فلمیں ایک ساتھ بیٹھ کے دیکھتے ہیں اور وہ سب ایوارڈ یافتہ فلمیں ہوتی ہیں جو وڈیو شاپس سے ہی ملتی ہیں۔ کسی سینما پر نہیں آتیں۔ وڈیو فلموں کا کوئی سنسر نہیں۔ وہ سب عادی ہیں اور جب کوئی ایسا ویسا منظر آ جائے تو ان کے نزدیک وہ بھی فلم کی کہانی کا حصہ ہوتا ہے۔ نو باڈی کیئرز... درمیان میں ہم ہیں۔ ہم وڈیو فلمیں دیکھتے ہیں مگر صرف اردو۔ ان میں بیڈ روم سین آ جاتے ہیں۔ تو سین آ جاتے ہیں۔ پہلے ہم سب بہت آکورڈ فیل کرتے تھے۔ اب نہیں کرتے۔ کیا تم نے کبھی اپنے گھر میں ماں بہن کے ساتھ بیٹھ کے کوئی وڈیو فلم دیکھی ہے؟"

اعظم نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نے سنا ہے..."

"مگر رفتہ رفتہ تمہاری سوچ بدلے گی۔ تم تنگ نظر نہیں ہو نا... تمہارا ذہن تبدیلی کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔" جبار بولا۔ "ایک دن... آج سے دس سال کے بعد یا ممکن ہے، اس سے پہلے۔ تم اتنے لبرل ہو سکتے ہو جتنے ہم ہیں۔ یا ہم سے بھی زیادہ۔ ہمارے دوسرے پڑوسی کی طرح مگر اس سے تم اور تمہارے کردار اور شخصیت پر کیا اثر پڑے گا۔ کیا تم بدمعاش اور عیاش ہو جاؤ گے۔ لوفر اور بدکردار بن جاؤ گے۔ ماں بہن کی تمیز چھوڑ دو گے؟"

"نہیں... ایسا سوچنا بھی بے وقوفی بلکہ ذہنی طور پر دیوالیہ پن کی دلیل ہے۔"

"رائٹ... میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ رانی بہت اچھی لڑکی ہے۔ ہزاروں لڑکیوں سے زیادہ مضبوط کردار کی مالک ہے جو صرف ہری اخلاقی اقدار پر کاربند ہیں۔ سات پردوں میں بیٹھ کے آنکھ لڑا لیتی

ہیں اور سات تالے کھول کے نکل جاتی ہیں۔ تم اس سے ملو گے تو ظاہر اور باطن کا یہ تضاد تمھارے سامنے آئے گا۔" جبار نے کہا۔

"کیا تم مجھے اپنی بہن سے ملنے کا کہہ رہے ہو؟" اعظم دم بخود رہ گیا۔

"اس نے کہا ہے کہ میں تمھیں کل شام مدعو کروں۔ اپنے گھر میں۔" جبار نے مسکرا کے کہا۔ "رانی کی اکیسویں سالگرہ ہے۔"

"لڑکیوں کی سالگرہ میں میرا کیا کام؟" اعظم بولا۔

"ہم اسے فیملی افیئر رکھتے ہیں۔ سارے زمانے کو اکٹھا نہیں کرتے۔" جبار نے کہا۔ "اس نے افشاں کو بلایا تھا، وہ تو آئے گی۔"

"کیا اس نے اقرار کر لیا ہے؟"

"ہاں، اقرار کیسے نہ کرتی۔ رانی اپنے سامنے کس کی چلنے دیتی ہے۔ تم افشاں کو لے کر آ ؤ گے۔۔۔"

"لیکن یہ فیملی افیئر ہے اور ہم تمھاری فیملی میں کہاں سے شامل ہو گئے اچانک؟"

"یہ تم ممی سے پوچھنا۔" جبار بولا۔ "انھوں نے ہی مجھے حکم دیا تھا۔"

"کبھی تم کہتے ہو رانی نے کہا تھا۔۔۔"

"رانی نے ان سے کہا۔ انھوں نے مجھے حکم دیا۔۔۔ میں تم سے درخواست کر رہا ہوں۔"

"آل رائٹ۔ ابھی مجھے میچ دیکھنے دو۔۔۔ میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔ میں گھر جا کے افشاں سے بات کروں گا۔ امی سے پوچھوں گا اور پھر جواب دوں گا۔" اعظم نے کہا۔

جبار اُٹھا۔ "رانی نے کہا ہے کہ تم لوگوں کے آنے تک کیک نہیں کاٹا جائے گا۔"

اعظم اب واقعی ذہنی انتشار کا شکار تھا۔ محسوس تو اس نے کل ہی کر لیا تھا کہ صاعقہ اور رانی کی مہمان نوازی اور اپنائیت کا اظہار کس لیے ہے مگر اب بات حد سے بڑھ رہی تھی۔ انھوں نے افشاں کو بھی ٹریپ کر لیا تھا۔ اسے افسوس ہوا کہ وہ افشاں کو ناحق اپنے ساتھ لایا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہاں رانی ضرور آئے گی۔ اب اس کے گرد دائرہ تنگ کیا جا رہا تھا۔ جبار نے بڑی خوب صورتی سے رانی کی وکالت کی تھی۔ اسے اعلیٰ کردار کی لڑکی ثابت کر دیا تھا۔ رانی کی خوب صورتی سے تو اندھا بھی انکار نہ کرتا۔ سالگرہ بہانہ بن گئی کون جانے سالگرہ کا دن ہے۔ یا پھر تقریب کچھ تو ہے ملاقات چاہیے۔۔۔ والی بات ہے۔ زبردستی سالگرہ منائی جا رہی ہے۔ سالگرہ میں مزید پیش رفت ہو گی۔ رانی اس پر ڈورے ڈالے گی۔ افشاں کو سہیلی بنا کے کہے گی کہ تم اپنے بھائی سے کہو۔ میں کس کس سے لڑوں گا۔

ابوالقاسم خان کی ایک چال کامیاب بھی رہی تھی اور ناکام بھی سمجھی جا سکتی تھی۔ انھوں نے ایک اوپننگ بیٹسمین پر دباؤ ڈال کے اس سے لکھوا لیا تھا کہ وہ ذاتی وجوہ کی بنا پر کھیلنے سے قاصر ہے لیکن وہ پھر بھی جبار کو گیارھویں کھلاڑی کے طور پر شامل کرانے میں ناکام رہے تھے۔ صبح وہ بیٹسمین معمول کے مطابق گراؤنڈ میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے زیادہ نہیں بتایا تھا۔ صرف اتنا کہا تھا کہ اب وہ کھیلے گا۔ ذاتی وجہ کی ایسی تیسی۔۔۔ اور اعظم نے سمجھ لیا تھا کہ رات کو اسے پریشانی کے باعث نیند نہیں آئی ہو گی، جب تک کہ اس نے طے نہیں کر لیا ہو گا

کہ ابوالقاسم خان کی ایسی تیسی۔

ایک دم شور اٹھا تو اعظم کے خیالات کی رَو ٹوٹ گئی... پہلا کھلاڑی آؤٹ ہو گیا تھا۔ ساتویں اوور کے ختم ہوتے ہی اسکور چودہ ہوا تھا۔ آؤٹ ہونے والے کو ایل بی ڈبلیو دیا گیا تھا اور وہ اس فیصلے سے سخت ناخوش احتجاجی انداز میں بیٹ زمین پر مارتا اور جھنجلاہٹ میں بڑبڑاتا آ رہا تھا۔ اعظم کو افسوس تھا کہ اس نے بال ہی نہیں دیکھی تھی اور یہاں ایکشن ری پلے کا انتظام تو تھا نہیں کہ وہ فیصلے کا جائزہ لے سکتا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ میچ کی ایک ایک بال کو توجہ اور انہماک سے دیکھنے کے لیے سب سے ہٹ کر بیٹھتا تھا۔ آج اسے الگ بیٹھا دیکھ کر جبار نے ڈسٹرب کیا تھا اور اس نے اب تک ہونے والا میچ بالکل نہیں دیکھا تھا۔ ذرا سی بات افسانہ بن رہی تھی۔ میچ جبار اور افشاں کو باتیں کرتے دیکھ کے اس کا برہم ہونا ایک سبب بن گیا تھا۔ رانی نے دوسرا سبب پیدا کیا تھا۔ پھر رانی اور افشاں نے مل کر تیسرے سبب کو تقویت پہنچائی تھی۔ لنچ میں چوتھا سبب سامنے آیا تھا اور اب جبار سے اس کی گفتگو بھی اسی سلسلے کی کڑی بن رہی تھی۔ لوگوں کو بات سے بات نکالنے کا بہانہ چاہیے۔ یہاں تو ایک طرف وہ سیمی فائنل ہو رہا تھا جس میں اعظم نے صاف کہہ دیا تھا کہ میرٹ پر جبار کبھی ٹیم میں شامل نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف جبار نے اسے بتا دیا تھا کہ میرٹ پر تم ابھی پچھلے بستے میں ہو اور ٹیم میں شامل نہیں ہو سکتے مگر ہم کو دیکھو اور ہماری طرف دیکھو۔"

اعظم اٹھ کے آگے آ گیا جہاں دوسرے کھلاڑی شور مچا رہے تھے۔ "ایمپائر! بال کہاں لگی تھی... گھٹنے سے اوپر... اور رائزنگ بال تھی۔"

"امپائر کانا ہے۔ ایک آنکھ سے اُدھر دیکھ رہا تھا۔" اس نے لڑکیوں کے غول کی طرف اشارہ کیا۔ "دوسری آنکھ سے اس نے وکٹ اور بال کو دیکھا ہی نہیں۔"

"یار تم لوگ مذاق کر رہے ہو۔" آؤٹ ہونے والا کھلاڑی بگڑنے لگا۔ "بال آف اسٹمپ پر تھی... باہر جا رہی تھی۔"

"تو بھیا جانے دیتا۔ پیڈ تک کیوں کی تھی؟" کوئی اور بولا۔

"فکر مت کر... امپائر سے میچ کے بعد نمٹ لیں گے... اُسے چائے میں جمال گوٹا دیں گے۔"

اسکور آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ رن ریٹ پندرھویں اوور کے بعد بھی دو سے کچھ زیادہ تھا اور اعظم کو تشویش ہونے لگی تھی۔ وکٹ میں ایسی کوئی بات نہ تھی کہ تیز کھیلنا مشکل ہوتا۔ یونین بنک کے باؤلر یقیناً بہتر تھے مگر ان کی بدقسمتی تھی کہ وہ ٹاس ہار گئے تھے، ورنہ ان کو پہلے موقع ملتا تو وہ خاصی پریشانی پیدا کرتے۔ وہ اپنی مضبوط باؤلنگ سائڈ کی مدد سے ہی سیمی فائنل تک پہنچے تھے۔ اُن کی بیٹنگ نسبتاً کمزور تھی لیکن پوزیشن برعکس ہو رہی تھی کہ باؤلر چھائے ہوئے تھے اور بیٹسمین دب کر کھیل رہے تھے۔ ڈرنکس کا وقفہ ہوا تو پچیس اوور ختم ہو گئے تھے۔ وکٹ صرف ایک گری تھی مگر رن ساٹھ ہی بنے تھے۔ اوسط تین سے بہت کم بلکہ ڈھائی بھی نہیں تھا... دو اعشاریہ چار تھا۔

"یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟" اعظم نے دونوں کھلاڑیوں کو الگ لے جا کر آہستہ سے کہا۔ "آدھی اننگ ختم ہو گئی ہے۔"

"بال بیٹھ رہی ہے۔" ایک کھلاڑی نے کوک کی بوتل کو منہ سے لگا کے کہا۔

"انھوں نے شروع سے دفاعی فیلڈ لی ہے۔" دوسرا بولا۔

"وہ تو لیں گے... وہ میچ جیتنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اعظم نے کہا۔

"تو کیا ہم کوشش نہیں کر رہے ہیں؟" پہلے کھلاڑی نے بُرا مان کے کہا۔

"یہ... کامیاب کوشش ابھی تک تو نہیں ہے۔" اعظم نے کہا۔ "باقی رہ گئے ہیں پچیس اوور جس میں ہمیں ایک سو پندرہ رن کرنے ہیں۔ جیتنے کے لیے ایک سو سولہ۔ چار اعشاریہ چھ رنز ایک اوور میں کیسے بنیں گے؟"

"تم بنا لینا آ کے۔" دوسرے کھلاڑی نے جھنجلا کے کہا اور وہ دونوں چل پڑے۔ اعظم قدرے مشتعل ہو کے واپس آیا مگر وہ کچھ کرنے سے قاصر تھا۔ اُسے امید تھی کہ اب کھلاڑی رن بنانے کی رفتار میں اضافہ ضرور کریں گے اور ممکن ہے اس کوشش میں آؤٹ ہو جائیں۔ اس نے فوری طور پر بیٹنگ آرڈر میں تبدیلی کی۔ ون ڈاؤن بیٹسمین پیڈ باندھے تیار بیٹھا تھا۔ اعظم نے اُسے روک لیا اور خود پیڈ باندھ لیے۔ دوسرے کھلاڑی کا طعنہ اس کے لیے چیلنج تھا اور اس نے یہ چیلنج قبول کر لیا تھا۔

اگلے دو اوورز میں نو رن بنے۔ تیسرے اوور میں وہی آؤٹ ہو گیا جس نے اعظم سے کہا تھا کہ وہ آ جائے۔ یونین بنک والے، مخالف ٹیم کے کپتان کو آتا دیکھ کے فقرے بازی کرنے لگے۔ یہ سب تضحیک آمیز اور کسی حد تک اشتعال دلانے والے جملے تھے اور سب کا مطلب ایک ہی تھا کہ دیکھو کپتان صاحب کیا تیر مارتے ہیں۔ گراؤنڈ کے وسط میں دونوں کھلاڑی ملے۔

"وش یو گڈ لک۔" آؤٹ ہونے والے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ اعظم نے مسکرا کر سر ہلایا مگر جواب میں کچھ نہ کہہ سکا۔ اُسے اندازہ تھا کہ وہ کچھ نہ کر سکا تو اس کی کتنی سبکی ہوگی۔ کرکٹ میں صرف عمران نے ہی دو دعوے کیے تھے اور دونوں کو سچ کر دکھایا تھا جو بھارت اور انگلینڈ کے خلاف انھی کی زمین پر سیریز جیتنے کے دعوے تھے۔

بگل کی آواز پر اعظم کو پلٹ کر دیکھنا پڑا۔ یہ افشاں تھی جسے بالکل خیال نہ تھا کہ رسمی طور پر جو تالیاں کپتان کے لیے بجائی جاتی ہیں، وہ ختم ہو گئی ہیں اور اب ساری نگاہیں اس پر ہیں۔ یہ لوکل ٹورنامنٹ

کھیلنے والے دوسرے کھلاڑیوں کے گھر کی خواتین بھی مسکرا رہی تھیں کیونکہ یہ کوئی انٹرنیشنل ون ڈے میچ نہیں تھا کہ ایسی دیوانگی کا مظاہرہ کیا جاتا۔ اس کے ساتھ رانی کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں کرسی کے اوپر اپنے لباس کے رنگوں سے بہت نمایاں تھیں اور بلاشبہ اپنے حسن کی دلکشی سے بھی۔۔۔ رانی نے اسے ہاتھ ہلایا اور پھر دونوں ہاتھ منہ کے آگے رکھ کے چلائی: "ففٹی اعظم ففٹی۔" نہ جانے کیوں اعظم نے بھی بیٹ اُٹھا کے دکھایا۔ سب جانتے تھے کہ ففٹی کا مطالبہ کرنے والی بنک کے سینئر وائس پریذیڈنٹ کی دختر نیک اختر ہیں اور ان کے ساتھ کپتان صاحب کی ہمشیرہ ہیں۔ جو پہلے نہیں جانتے تھے، وہ اب جان گئے تھے۔ بھائی کے لیے بہن کا یہ جوش و خروش لوگوں کی سمجھ میں آتا تھا، رانی کی وارفتگی کا انداز سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ان پلیئرز کو بھی جن کے سامنے اعظم نے قسم کھا کے کہا تھا کہ وہ کل ہی پہلی بار اس لڑکی سے ملا تھا۔ اب اس نے رانی کی طرف بیٹ اُٹھا کے گویا مزاجِ یار کے سامنے سرِ تسلیم بھی خم کر دیا تھا۔

اعظم نے اوور کی باقی تین بالوں کو اطمینان سے روکا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ باؤلر صرف بیس سے حاوی آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر وہ دوسرے اینڈ سے مشاہدہ کرتا رہا۔ دوسرے کھلاڑی نے یکے بعد دیگرے دو چوکے لگائے۔ تیسری بال پر ایک رن لیا اور یوں اعظم اس کے سامنے آگیا۔ بال فل ٹاس تھی اور سیدھی اس کے بلّے پر آئی۔ اعظم نے پیچھے ہٹ کر اور ایک پنجے پر گھوم کے پوری قوت سے شاٹ مارا۔ بال اٹھی اور باؤنڈری لائن کا کھلاڑی کیچ کے لیے دوڑا مگر بال اس کے سر سے بہت اوپر تھی۔ اعظم کو پہلے چھکے کی خوشی فرو ہوئی۔ اس نے اپنا اکاؤنٹ شاندار طریقے پر کھولا تھا اور اس پریشر کو کم کرنے کا یہ مؤثر طریقہ تھا جو باؤلرز نے ڈال رکھا تھا مگر اس کی مسکراہٹ کافور ہوگئی جب بال سیدھی پویلین میں تقریباً رانی اور افشاں کے سامنے گری۔ کچھ عورتیں اور لڑکیاں اِدھر اُدھر ہوگئیں مگر رانی نے کرسی کے نیچے گھس کر بال اٹھائی اور فیلڈر کی طرف اُچھال دی۔

اب کسی کے دل میں ذرا بھی شک نہ تھا کہ یہ فرمائشی چھکا ایک نذرانۂ عقیدت تھا۔ بہن کو کون پوچھتا ہے۔ وہ تو پہلے بھی آتی رہی تھی۔ رانی کے لیے خصوصی تحفہ تھا کہ چھکا مار کے اس نے بال کو نہیں اپنے دل کو رانی کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ یہ اتفاق بھی آج ہی ہونا تھا۔ اعظم خوفزدہ نہیں تھا۔ سیدھے دل کے ساتھ سوچا اگلی بال کو اس نے لیگ سائڈ پر گلانس کیا اور چار رن لیے۔ ایک اوور میں انیس رن ہو چکے تھے اور ابھی ایک بال باقی تھی۔ اعظم کوشش کر رہا تھا کہ اپنے ذہن کی ساری توجہ بال پر رکھے مگر اس کے کانوں میں مسلسل بگل کی آواز آ رہی تھی اور وہ تصور کر سکتا تھا کہ لوگ کیا سن رہے ہیں اور کیسے دیکھ رہے ہیں۔ آخری بال شارٹ پڑی اور کسی اسپاٹ سے اچھلی۔ اعظم کو اپنا چہرہ بچانے کے لیے ہک شاٹ کھیلنا پڑا۔ اس کی ٹائمنگ غلط ہو جاتی تو ڈیپ اسکوائر لیگ کا کھلاڑی کیچ پکڑ لیتا مگر اعظم نے رن لیتے لیتے دیکھا تو وہ بال سے بہت دور تھا۔ بال باؤنڈری لائن پر گری یا اس کے باہر، اعظم نہ دیکھ سکا مگر احباب بنک والوں نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کے ناچنا شروع کیا تو اعظم کو۔۔۔۔ اندازہ ہوا کہ یہ بھی چھکا ہوگیا ہے۔ تین بالوں میں سولہ رن۔ اس نے ناقابلِ یقین طور پر اپنے ففٹی کی بنیاد رکھ دی تھی بلکہ صرف تین بالوں میں ایک تہائی کا فاصلہ بھی طے کر لیا تھا۔ چھبیس اوور ختم ہوئے تو اسکور ایک سو تین ہو چکا تھا۔ اس بدنصیب باؤلر کا سارا ایوریج بگڑ گیا تھا جس نے پچیس رن دے دیے تھے۔

ستائیسویں اوور میں دوسرے کھلاڑی نے جانتے بوجھتے دو کے بجائے ایک رن بنایا حالانکہ دوسرا رن آسانی سے بن رہا تھا۔ بالواسطہ طور پر یہ بھی ایک چیلنج تھا کہ لو اب ادھر سے بھی کچھ کرو۔ اعظم حفیظ نے فوری طور پر کول ڈاؤن ہونے کا فیصلہ کیا۔ وہ کسی قسم کی اشتعال انگیزی کی پروا نہیں کرے گا اور کسی کے بارے میں نہیں سوچے گا۔ اس نے پورا اوور اطمینان سے کھیلا اور صرف ایک رن بنایا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اعظم کے سامنے سے اس باؤلر کو ہٹا لیا گیا جو ڈمی مورالائز ہوگیا تھا۔ یونین بنک نے چاروں فاسٹ باؤلرز رکھ کے جوا کھیلا تھا اور ٹاس ہارنے کے ساتھ ہی وہ جوا ہار گئے تھے۔ وکٹ فاسٹ باؤلروں کی اس مرحلے پر کوئی مدد نہیں کر رہی تھی۔

طویل مشورے کے بعد یونین بنک کا ایک لیگ اسپنر لایا گیا جو اسپن کم کراتا تھا فلائٹ زیادہ دیتا تھا چنانچہ اُسے بہت سوچ سمجھ کے کھیلنا پڑتا تھا۔ دوسری بال پر اعظم اسٹمپ آؤٹ ہوتے ہوتے بچا۔ وکٹ کیپر نے بال کو مس ہوتے ہی پکڑ لیا تھا اور چونکہ وہ اسٹمپ پر چڑھا ہوا تھا اس لیے وہ ایک ہی ایکشن میں وکٹ گرا سکتا تھا مگر بال اس کے ہاتھ میں آکے گر گئی۔ اس کے سنبھلنے تک اعظم کا پیر واپس کریز میں جم گیا تھا۔ یہ ایک لائف تھی جو بعد میں یونین بنک والوں کو مہنگی پڑی۔ اعظم نے فلائٹ کو جج کرتے ہوئے دو چوکے لگاتار مارے۔ ستائیس اوورز میں اسکور ایک سو بارہ۔ انھیں ابھی مزید چونسٹھ رن درکار تھے لیکن اب تئیس اوورز میں یہ ٹارگٹ مشکل نہیں رہا تھا۔ اعظم نے تین اوور کھیل کے کوارٹر سنچری تو کر لی تھی۔ باقی چونسٹھ رن میں سے اس کو صرف پچیس رن لینے تھے۔

اعظم کے کھیل نے اس کے دوسرے ساتھی کا حوصلہ بڑھا دیا۔ اعظم کے جارحانہ موڈ کو دیکھتے ہوئے اس کو اندیشہ لاحق ہونے لگا کہ کہیں باقی کے چونسٹھ رن وہ اکیلا ہی نہ بنا لے۔ اسے اپنی نصف سنچری کے لیے چوبیس رن درکار تھے اور اگر اعظم چونسٹھ نہ سہی پچاس رن بھی لے لیتا تب بھی اس کی آرزو ادھوری رہ جاتی۔ ففٹی ایسے میچ میں کوئی بہت بڑا کارنامہ تو نہیں مگر ہر کھلاڑی اپنے کیریئر کی نصف سنچری یا سنچری کو ایک لینڈ مارک سمجھتا ہے اور جب موقع ملتا ہے

تو اسے ضرور حاصل کرتا ہے۔ اس کی آرزو کو اعظم نے اس کے چہرے پر پڑھ لیا اور اگلے دس اوورز میں اسے ہی کھیلنے کا زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کیا۔ ان دس اوورز میں چونتیس رنز بنے جس میں اعظم حفیظ کے وہ سنگل تھے جو اس نے اینڈ بدلنے کے لیے لیے تھے چنانچہ اس کو پانچ رن ملے تھے تو دوسرے نے انتیس رن بنائے تھے اور اپنی نصف سنچری سے پانچ رن آگے چلا گیا تھا۔

اب ستیس اوورز ہو چکے تھے اور یونین بنک والوں کی ساری امیدیں خاک میں مل چکی تھیں۔ ابتدائی اوورز کی جارحانہ اور ٹائٹ باؤلنگ کا صرف ایک اوور میں ستیاناس ہو گیا تھا اور اس کے بعد ہی کھیل کا پانسا پلٹا تھا۔ وہ اعظم سے زیادہ اس باؤلر پر برہم ہو سکتے تھے جس کی باؤلنگ پر چھبیس رن صرف ایک اوور میں بنائے گئے مگر کرکٹ میں سارا کھیل غیر یقینی چانسز کا ہے ورنہ ہونے کو وہ رانی پر بھی برہم ہو سکتے تھے جس نے اعظم کو جوش دلایا اور وہ میچ جیتنے سے زیادہ اس کا دل جیتنے کے لیے چوکے چھکے مار گیا۔ ایسا نہیں تھا مگر سمجھنے والے تو ایسا ہی سمجھ رہے تھے۔

باقی تیرہ اوورز میں جیتنے کے لیے تئیس رنز درکار تھے اور اعظم حفیظ کی نصف سنچری کے لیے بیس... پہلے اس کا خیال تھا کہ اب میچ تو جیب میں ہے کیوں نہ بیٹنگ پریکٹس کی جائے اور جب آخری دو چار اوورز رہ جائیں تو اسکور پورا کر لیا جائے۔ پھر اس نے سوچا کہ کھیل کا ٹیمپو سست کرنے سے شکست فاش کا تاثر ختم ہو جائے گا۔ حریف انچاس اوورز کھیلے تھے اور انتہائی کوشش کے باوجود پورے پچاس اوورز تک اسکور کو نہ کھینچ پائے تھے۔ اسکور کو چالیس اوورز میں پورا کرنے سے کرشنگ ڈیفیٹ کی خبر بنتی تھی۔

اعظم نے بہت دیر سے بیگی کی آواز نہیں سنی تھی۔ غور سے دیکھنے پر اسے افشاں اور رانی دونوں غائب نظر آئیں۔ وہ اب سینٹر میں اس صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں جس پر ابوالقاسم تشریف فرما تھے۔ ٹیم کے پیٹرن آخری لمحات میں ٹیم کو سرپرستی کا شرف عطا کرنے آ پہنچے تھے ان کے ایک طرف رانی بیٹھی تھی اور پھر افشاں۔ دوسری جانب ماجد۔ اعظم کو افشاں پر غصہ آنے لگا آخر اسے کیا ضرورت تھی اپنی جگہ چھوڑ کے وہاں جا کر بیٹھنے کی جہاں سب دیکھیں۔ اس کی جیب میں پچاس پیسے کا وہ سکہ پڑا ہوا تھا جس سے مخالف ٹیم کے کپتان نے ٹاس ہار کے کہا تھا "اٹ از ناٹ مائی لکی ڈے۔" چنانچہ جسے وہ اپنا لکی کوائن کہتا تھا وہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ پیسہ بے وفا ہے اس نے کہا تھا۔ پیسہ طوائف کو کھینچتا ہے، طوائف پیسے کو کھینچتی ہے۔ فطرت دونوں کی ایک ہے۔ کسی اور کے نقطۂ نظر سے اعظم کے لیے یہ ایک مبارک دن تھا کہ اس نے میچ جیت لیا تھا۔ شاندار ففٹی کیے تھے اور اس کی خواہش پوری کر دی تھی جو اعظم کی ہر خواہش پوری کر سکتی تھی لیکن خود اعظم دیکھ رہا تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی ہے۔

جادو

مہینوں سے بارش نہیں ہوئی تھی اور قحط سالی کا خطرہ تھا۔ اس سلسلے میں غور کرنے کے لیے قبیلے کے دانشور اکٹھے ہوئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اتنے میں ایک قبائلی نے کہا: "میں نے انگلینڈ میں ایسا زبردست جادو دیکھا ہے، جس سے فوری طور پر بارش ہو جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ دو آدمی سفید کوٹ پہنے میدان میں اترتے ہیں۔ لکڑی کے ہتھوڑے کی مدد سے دو اطراف میں چھ ڈنڈے گاڑتے ہیں۔ پھر سفید قمیص، سفید پتلون اور سفید جوتے پہنے دو آدمی آتے ہیں اور ان ڈنڈوں کے سامنے الگ الگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک اِدھر، دوسرا اُدھر۔ پھر گیارہ آدمی آتے ہیں۔ انہوں نے بھی سفید قمیص، سفید پتلون اور سفید جوتے پہن رکھے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس ایک سُرخ گیند ہوتی ہے۔ وہ سب بکھر جاتے ہیں اور ان میں سے ایک گیند لے کر ڈنڈوں کے اُس طرف قدم گننا شروع کر دیتا ہے ... اور جناب، پھر دیکھتے ہی دیکھتے بارش شروع ہو جاتی ہے۔"

اس نے تین اوورز میں چار چوکے مارے اور تین رن دوسرے کھلاڑی نے لیے۔ جب ایک رن رہ گیا تھا تو اعظم آخری بال کھیلنے کے لیے سامنے آیا اور اچانک اعظم نے ایک آواز سنی "شارٹ کا چھکا" اس نے سر گھما کے دیکھا تو ماں باپ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر رانی کھڑی ہو گئی تھی اور منہ کے آگے دونوں ہاتھ رکھ کے چلا رہی تھی۔ لوگ ہنس رہے تھے مگر شاید جبار نے ٹھیک ہی کہا تھا، فرق صرف نقطۂ نظر کا تھا۔ رانی یا اس کے والدین کے خیال میں یہ کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ سیکڑوں لڑکیاں جاوید میاں داد یا عمران کے لیے دیوانہ وار چلاتی ہیں تو ان کے والدین نہیں کہتے کہ وہ کسی غیر مرد کے لیے کیوں پاگل ہو رہی ہیں۔ ایک اجنبی لڑکی اعظم کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی یا اس کی فین ہونے کا ثبوت دے رہی تھی تو یہ کوئی معیوب بات کیسے ہو گئی۔ گندگی آدمی کے دماغ میں ہوتی ہے تو اسے گندگی نظر آتی ہے۔ مگر افشاں کسی اور کے لیے شاؤٹ کرتی، مثلاً جبار کے لیے... تو کیا ہوتا۔ اعظم نے اعتراف کیا کہ وہ یقیناً بُرا مانتا۔ وہ ابھی لوئر مڈل کلاس کی تنگ نظری کا شکار تھا۔ اعظم نے آخری بال کو آتے دیکھا اور بالکل اسی طرح جیسے اُسے ملنے والی پہلی بال لیگ سائڈ پر ہاف والی ہو گئی تھی اسی طرح یہ بال بھی فل ٹاس بن گئی اور اعظم نے بیٹ گھما دیا۔ خود اس نے دوسرے چھکے کو سینئر وائس پریذیڈنٹ جناب ابوالقاسم خان کے سامنے بڑے ادب سے لینڈ کرتے دیکھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ وہیں وہ بھی بیٹھی ہوئی تھی جس نے بلند آواز سے شارٹ کے چھکے کی فرمائش کی تھی اور ایک بار پھر اعظم نے مزاجِ یار کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔

اس کے بعد بہت کچھ ہوا۔ ابوالقاسم خان نے اسے سب کے سامنے گلے لگایا۔ صاعقہ نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔ افشاں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ خوشی سے اتنی پاگل تھی کہ دوڑتی ہوئی گراؤنڈ میں آ کے بھائی سے چمٹ گئی تھی۔ اس کے پیچھے رانی تھی۔ جس نے تھوڑا سا تکلف کرتے ہوئے شرما کے کہا تھا۔ "تھینک یو اعظم۔" اور اعظم اس کی ادا پر دنگ رہ گیا تھا۔ دوسرے سب کھلاڑیوں نے یہ سنا تھا کہ رانی نے اُسے مبارک باد نہیں دی تھی۔ تھینک یو کہا تھا۔ تھینک یو کہ تم نے میری لاج رکھی۔ میری فرمائش پر ففٹی بنائے۔ میری خواہش پر شارجہ کا چھکا مارا۔ یہ گیم اعظم نے نہیں، رانی نے جیتا تھا۔ اعظم نے اسے سب کے سامنے سرخرو کیا تھا اور یہ لالی اس کے چہرے پر روشنی بن کے پھیل گئی تھی۔

جبار نے سب کے بعد اس سے ہاتھ ملایا۔ ایک ایک کر کے کھلاڑی رخصت ہونے لگے۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے فائنل میں ملنے اور جیتنے کا عزم دہراتے ہوئے۔ مسرت سے جگمگاتے چہرے لیے۔ فخر اور غرور کے ساتھ۔ ٹیم اسپرٹ کی قوت پر اعتماد کا اظہار کرتے۔ ابوالقاسم خان اپنی ہنڈا اکارڈ میں آئے تھے۔ رانی صبح اپنی گاڑی خود چلا کے لائی تھی چنانچہ اسے الگ جانا تھا۔ اعظم نے بہن کو چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں خاموشی سے باہر آئے۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے بھائی جان؟" افشاں نے کہا۔

"نہیں... بہت خوش ہوں۔ خوب تماشا کیا دونوں نے سب کے سامنے۔" اعظم مسکرانے لگا۔ "وہ تو پاگل ہے۔ تو بھی پاگل ہو گئی؟" معلوم نہیں کیوں، وہ غصہ بھول گیا۔ افشاں کا چہرہ کھل اُٹھا۔ اُسے ڈر تھا کہ شام کو اُسے جھاڑ ضرور پڑے گی۔ اعظم نے سوچا بھی تھا کہ وہ گھر جا کے ماں سے شکایت کرے گا اور گھر جانے سے پہلے کوئی بات نہیں کرے گا۔ لیکن افشاں نے ایسے وقت بات چھیڑ دی جب وہ اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار تھا اور اس کا خمار اترنے سے پہلے ناراض نہیں ہو سکتا تھا۔

گھر پہنچ کے اُسے اندازہ ہوا کہ افشاں کو رانی نے کتنا متاثر کیا تھا۔ وہ پہلے تو ماں کے سامنے بھائی کی اننگ پر شور مچاتی رہی۔ پھر رانی کا ذکر آیا تو اس کی تعریفوں کے پل باندھنے لگی۔ وہ بے حد باتونی لڑکی تھی۔ اس کی زبان قینچی سے زیادہ تیز چلتی تھی اور وہ اتنا شور مچاتی تھی، اتنا ہنستی تھی کہ دوسرے شخص کو بولنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اس نے کھانے کے بعد بھی ماں کو بڑی تفصیل سے ہر بات بتائی۔ یہ بتایا کہ رانی کس کی بیٹی ہے اور کس کی بہن ہے اور وہ سب کیسے لوگ ہیں۔ انھوں نے اگلے دن سالگرہ پر بلایا ہے اور رانی نے کہا ہے کہ وہ نہ پہنچی تو...

"نہ پہنچی تو کیا...؟" اعظم نے چڑ کر کہا۔ "سالگرہ منسوخ ہو جائے گی؟"

"نہیں... وہ خود آ جائے گی مجھے لینے... اس نے کہا تھا۔" افشاں بولی۔

"پاگل... تو نہیں جانتی اُسے..."

"آپ تو جانتے ہیں نا...؟" افشاں نے یوں کہا کہ اعظم اُٹھ بیٹھا۔

"تیرا دماغ خراب ہے۔" اس نے برہمی سے کہا۔

"میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی ہے بھائی جان۔" وہ آواز بنا کے اور آخری لفظ کو بہت لمبا کر کے شرارت سے ہنسی۔

"تو نہیں جائے گی۔"

"میں ضرور جاؤں گی... آپ کو بھی لے جاؤں گی..." وہ چلا کے بولی اور ماں کے پیچھے چھپ گئی۔ اعظم اُسے مارنے اُٹھا اور پھر منہ پھیر کے ٹھہر گیا۔ یہ سب اچھا نہیں ہو رہا تھا۔ پری کو معلوم ہو گیا تو بہت ہی بُرا ہو گا۔ وہ حد درجہ شکی مزاج... بزدل اور نادان لڑکی... بالکل غیر شعوری طور پر وہ پروین اور رانی کا مقابلہ کرنے لگا۔ اُسے خیال بھی آیا کہ آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔ مگر اس کی ذہنی کیفیت اس شخص سے مختلف نہ تھی جو تمام عمر پاکستان کے کسی چھوٹے سے شہر میں رہے۔ اس کی گلیوں میں پل کے بڑا ہو۔ اس کے کوچہ و بازار سے آشنائی کا رشتہ رکھتا ہو۔ اس کی مٹی کی خوشبو کو چاہتا ہو اور پھر وہ دو چار سال لندن یا پیرس میں گزار کر آئے تو اس کے جذبات کا رُخ بالکل بدل چکا ہو۔ جیسے اپنے شہر اور اپنے وطن کے لوگ غیر مہذب اور جاہل محسوس ہوں، ہر طرف غلاظت نظر آئے، کوچہ و بازار سے وہ ناک پر رومال رکھ کے گزرے اور تعجب کرے کہ اس بُو میں لوگ کیسے سانس لے کر زندہ ہیں اور اس گھٹن میں کیوں مطمئن ہیں۔

اگلے دن صبح میٹنگ ہوئی جس میں چیئرمین بھی شریک تھے۔ انھوں نے اخبارات کے اسپورٹس کا صفحہ دیکھ لیا تھا جس میں اعظم کی تصویر کے ساتھ جیت کی خبر بہت نمایاں تھی۔

"ویری ویل ڈن بوائے..." چیئرمین نے کہا۔ رسمی طور پر ابوالقاسم خان اور فاروق ضمیر نے بھی اُسے مبارک باد اور شاباش دی۔

اعظم نے موقع غنیمت جانا۔ "اب ہم فائنل بھی جیت سکتے ہیں سر!" اس نے ابوالقاسم خان کی طرف دیکھا۔ "بشرطیکہ..."

"رک کیوں گئے؟" چیئرمین نے کہا۔ "کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اگر انعام کی شرط ہے تو وہ ہم فیصلہ کر چکے ہیں۔" فاروق ضمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ نو سر... میں کوئی بارگین نہیں کرنا چاہتا تھا۔" اعظم نے فوراً تردید کی۔ "میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا کہ موقع سے ناجائز فائدہ اٹھاؤں۔ میری گزارش تو صرف یہ تھی کہ فائنل میں کوئی چینج نہ کی جائے۔"

"یہ... تو تمہاری مرضی ہے... اور سلیکشن کمیٹی پوری یہاں

موجود ہے۔ تو ابھی فیصلہ ہو سکتا ہے۔" چیئرمین نے کہا۔

"وہ تو طے ہے۔" فاروق ضمیر نے کہا۔ "تم نے کل ہی بتا دیا تھا کہ ٹیم میں تبدیلی سے نقصان ہو سکتا ہے۔"

"بس یا اور کچھ؟" چیئرمین نے کہا۔ "اب وہ بات بھی سن لو جو تمہارے لیے اور ٹیم کے لیے خوشخبری ہے۔ فائنل جیتنے کی صورت میں تم کو اے وی پی کے عہدے پر کنفرم کر دیا جائے گا۔ باقی کھلاڑیوں کے لیے اگلے گریڈ میں ترقی۔"

اعظم کا دل اچھل کے حلق میں آ گیا۔ اتنا بڑا انعام اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے کہا۔ "تھینک یو، تھینک یو سر... ہم یہ انعام ضرور لیں گے۔"

اس کا سارا دن باہر گزر گیا۔ اپنی ٹیم کے ایک ایک ممبر سے ملتے اور ان کو چیئرمین کے فیصلے سے آگاہ کرتے۔ وہ پروین کو بھی بتانا چاہتا تھا کہ وہ اب بہت جلد اے وی پی ہونے والا ہے۔ اُسے کار ملے گی۔ اتنا ہاؤس رینٹ ملے گا کہ وہ کوٹھی میں منتقل ہو سکے گا۔ اس کی تنخواہ اور مراعات بڑھ جائیں گی۔ آئندہ ترقی کے راستے کھل جائیں گے اور اس کا سوشل اسٹیٹس بدل جائے گا۔ وہ جھگی سے سولجر بازار کے ایک مکان میں پہنچا تھا۔ نچلے طبقے سے لوئر مڈل کلاس میں آ گیا تھا اور اب مڈل کلاس کے اسٹیشن پر رکے بغیر اس کی زندگی کی گاڑی سیدھی اپر کلاس کی منزل تک پہنچنے والی ہے۔

مگر اُسے پروین سے رابطے کا موقع ہی نہ ملا۔ اسے یہ خیال بھی آیا کہ کیا وہ خوش ہوگی؟ اس نے زندگی میں صرف دکھ دیکھے تھے چنانچہ طبعاً وہ یاسیت پسند ہو گئی تھی۔ خوشی کی بات میں بھی غم کا پہلو تلاش کر لیتی تھی۔ بے وجہ رونے لگتی تھی اور وجہ پوچھو تو کہتی تھی کہ میں خواب بہت دیکھنے لگی ہوں۔ یہ بہت خطرناک ہے کیونکہ جب خواب دھوکا دیتے ہیں تو جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ ابا نے اپنے بیٹے کے لیے کیا کیا خواب دیکھے تھے۔ انہی خوابوں نے بالآخر ان کی جان لے لی۔ ایسی باتوں سے اعظم بہت چڑتا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ "ارے بابا! یہی تو عمر ہوتی ہے خواب دیکھنے کی اور جس کے پاس خواب تک نہ ہوں وہ بھلا تعبیر کیسے پائے گا۔ میں بھی خواب دیکھتا ہوں۔ دولت عزت اور شہرت کے۔ دنیا گھومنے کے... تمہارے ساتھ... اور ان خوابوں کو سچ کرنے کے لیے دن رات کوشش کرتا ہوں... اور کرتا رہوں گا۔"

"صرف کوشش سے کیا ہوتا ہے۔ ہوتا تو وہی ہے جو تقدیر میں ہو۔ تم اکیلے کیا سب ہی ایسے خواب دیکھتے ہیں..." وہ کہتی تھی اور اس کے بعد اعظم بحث نہیں کرتا تھا۔ غصے میں یا احتجاجاً اسے ایک گالی سے نواز دیتا تھا۔ "الو کی پٹھی... تو مجھے بھی اپنے جیسا قنوطی نہیں بنا سکتی۔" اور واک آؤٹ کر جاتا تھا۔ شام کو گھر جاتے ہوئے اُسے رانی کا خیال آیا۔ وہ بالکل پروین کی ضد تھی۔ اور یہ سب ماحول کے فرق کا نتیجہ تھا۔

گھر کے سامنے سڑک پر نیلی ہنڈا سوک کو دیکھتے ہی اس کے قدم رک گئے۔ اس نے گھڑی دیکھی تو شام کے چھ بجے تھے۔ اُسے سالگرہ کی دعوت یاد تھی لیکن ابھی دیر نہیں ہوئی تھی کہ رانی خود آ جاتی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سات ساڑھے سات بجے تک افشاں کو ساتھ لے کر پہنچ جائے گا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے رانی کو صوفے پر ماں کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ اس نے گزشتہ روز سے بالکل مختلف لباس پہن رکھا تھا اور زرق برق ہونے کے باوجود یہ اماں کے نقطۂ نظر سے بے حد شریفانہ تھا۔ زرق برق تو سالگرہ کی رعایت سے ضروری تھا۔

"آ گئے آپ؟" افشاں نے اندر سے چلا کے کہا۔ "فرصت مل گئی گھر واپس آنے کی؟ ذرا گھڑی دیکھیے کیا وقت ہوا ہے۔"

"کیوں خواہ مخواہ شور کر رہی ہے؟ چھ بھی نہیں بجے ابھی..." اعظم نے کہا اور رانی سے مخاطب ہو گیا۔ "آپ کب آئیں؟"

"اسے تو آدھا گھنٹہ ہو گیا انتظار کرتے۔ افشاں کو لینے آئی تھی۔" ماں نے کہا۔ "تجھے تو ہوش ہے نہیں۔"

"اماں! سالگرہ میں دوپہر کی دعوت تو نہیں تھی۔ چھ بجے ہیں..."

"بھائی جان! اس گھڑی سے بہتر ہے آپ گھڑا لے لیں۔"

فاسٹ باؤلر نے بیٹس مین کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس کے کئی گیندیں لگ چکی تھیں لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ وہ آؤٹ بھی نہیں ہو رہا تھا۔

اچانک مجمع میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "اسمتھ... اسمتھ، تمہارے گھر میں آگ لگ گئی ہے۔"

بیٹس مین نے بلا پھینکا اور باہر کی طرف دوڑ لیا۔ سڑک تک وہ دوڑتا گیا پھر اچانک اُسے خیال آیا۔ وہ رکا اور ہانپتے ہوئے زیر لب بولا۔ "آخر میں بھاگ کیوں رہا ہوں، جب کہ میرا نام اسمتھ بھی نہیں ہے۔"

ایک مشہور بیٹس مین ایک مقامی ٹیم کی طرف سے بحیثیت مہمان کھیل رہا تھا۔ باؤلر کو متاثر کن کارکردگی دکھانے کی فکر تھی۔ اس نے پوری جان لگا کر بال کرائی اور پہلی ہی گیند پر مشہور بیٹس مین کی آف اسٹمپ اکھاڑ دی۔

"نو بال" امپائر نے پکارا اور پھر باؤلر سے سرگوشی میں کہا۔ "آہستہ میرے بچے... آہستہ، لوگ تمہاری باؤلنگ دیکھنے نہیں آئے، وہ اس کی بیٹنگ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

افشاں نے اندر سے برآمد ہو کے کہا۔ "یا پھر اسے گھڑے میں ڈال دیں... پونے سات ہو رہے ہیں۔"

"جی جناب..." رانی نے کہا۔

"اچھا!" اعظم نے خفت سے اپنی گھڑی کو دیکھا۔ "پھر بھی دیر تو نہیں ہوئی۔"

"بس میں گزر رہی تھی ادھر سے تو سوچا افشاں کو لیتی جاؤں۔ کوئی بھروسا بھی تو نہیں تھا تمہارا کہ لاؤ گے یا نہ لاؤ گے۔" رانی نے کہا۔

افشاں ہنسی۔ "کل رات تو اکڑے ہوئے تھے کہ نہ جاؤں گا اور نہ جانے دوں گا۔"

"نہیں... وہ تو بس... اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔" اعظم نے غور سے افشاں کو دیکھا جس نے تقریباً ویسے ہی کپڑے پہنے تھے جیسے رانی پہن کر آئی تھی۔ خدا سمجھے ان لڑکیوں کی عقل سے... ذرا دوستی ہوئی اور شروع ہو گیا بہناپا۔ مرد تعلقات میں کئی ماہ بعد اتنے قریب نہیں آتے جتنا قریب عورتیں چند دن میں آجاتی ہیں اور بے تکلف ہونے میں تو انھیں دیر ہی نہیں لگتی۔

"اب کیا سوچ رہے ہیں... تیار ہوں۔" افشاں نے چلا کے کہا۔

اعظم نے افشاں کے کپڑوں پر نگاہ ڈال کے رانی کی طرف دیکھا تھا اور پھر وہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔ گہرے آسمانی رنگ میں اور پورے میک اپ کے ساتھ اس کی آب و تاب پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی لیکن اسے یوں گھورتے رہنا بہرحال بدتمیزی تھی اور خواہ مخواہ چور بننے والی بات تھی۔

"میں بس ابھی دو منٹ میں تیار ہوتا ہوں۔" اعظم نے خفت سے چٹکی بجا کے کہا۔ "لیکن تم لوگ جاؤ... میں تو موٹر سائیکل پر آؤں گا۔"

اس نے واش بیسن پر کھڑے کھڑے منہ دھویا اور دس منٹ بعد کپڑے بدل کر تیار بھی ہو گیا مگر اس وقت تک افشاں کا میک اپ جاری تھا۔ اب وہ پہنے والی چوڑیاں اتار کے میچ کرنے والی چوڑیاں پہن رہی تھی۔

"اچھا بھئی ہم چلے... تم دونوں آتی رہنا۔" اعظم ہنسا۔ "ابھی تو سولہ سنگھار میں سے دس بارہ باقی ہوں گے؟"

"ہاں ہیں..." افشاں نے جھلا کے کہا۔ "سترہ سنگھار باقی ہیں۔"

"کچھ نہیں ہو گا اس سے مس افشاں... رہو گی وہی بھتنی..." اعظم نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ لیکن پھر ہوا یہ کہ موٹر سائیکل نے اسٹارٹ ہونے سے انکار کر دیا۔ وہ کک مارتے مارتے تھک گیا۔

"تت تت تت" افشاں نے باہر نکل کے کہا۔ "آپ ابھی تک روانہ بھی نہیں ہوئے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ پہنچ گئے ہوں گے۔ ایسا کریں رسی لے کر گاڑی کے پیچھے باندھ لیں موٹر سائیکل کو... پٹرول بھی بچ جائے گا..."

اعظم نے افشاں کو خونخوار نظروں سے گھورا مگر بولا نہیں...

اسے پہلے ہی پسینہ آرہا تھا۔ خفت الگ ہو رہی تھی۔ اس نے بڑے اہتمام سے کریم کلر کا سوٹ پہنا تھا اور ڈارک میرون شرٹ پر آف وائٹ ٹائی باندھی تھی۔ اگر وہ اس وقت موٹر سائیکل کا پلگ کھولتا تو اس کے ہاتھ کالے ہوتے اور ایک آدھ داغ سوٹ پر لگ جاتا تو سب تیاری چوپٹ ہو جاتی۔ اس سوٹ کے ساتھ یہی قباحت تھی کہ چھونے سے بھی میلا ہوتا تھا۔

"چلو اب ہمارے ساتھ ہی آجاؤ..." رانی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تیار تو آپ ہو ہی چکے ہیں۔"

"واپسی پر مسئلہ ہو گا۔" اعظم نے رومال سے پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں عموماً رکشا ٹیکسی نہیں ملتے۔"

"بھئی میں چھوڑ بھی جاؤں گی... اور کچھ..." رانی نے کہا۔

اعظم نے بے بسی سے موٹر سائیکل کو دیکھا اور مزید خفت سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے تقریباً ایک جیسے لباس میں حقیقی بہنیں ہی نظر آتی تھیں۔ سڑک پر آ کے افشاں نے رانی سے کچھ کہا اور وہ دونوں کھلکھلا کے ہنسیں۔ پھر وہ دونوں پیچھے بیٹھ گئیں۔

"آپ چلائیں گاڑی۔" افشاں نے کہا۔ "اچھے نہیں لگیں گے پیچھے بیٹھ کر۔"

"مگر میں..." اعظم نے گھبرا کے کہا۔ "یہ گاڑی چلاؤں۔"

"کیوں... کیا چلانا آتی نہیں؟" رانی نے کہا۔

"آتی تو ہے... مگر خدانخواستہ... اتنی قیمتی گاڑی ہے تمہاری۔"

"آپ فکر نہ کریں... کمپری ہینسو انشورنس ہے۔" رانی نے کہا۔ اور وہ پھر کھی کھی کرنے لگیں۔ اعظم مجبور ہو گیا۔ جب وہ کار میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہا تھا تو اس نے پروین کی اس سہیلی کو دیکھا جو آڑے وقت میں ان کے کام آتی تھی۔ پروین کو اسی کے ساتھ فائل دیکھنے آنا تھا۔ اس نے ٹکٹ ملنے کی جو بات کی تھی اس کا مطلب یہی تھا۔ اعظم بیٹھتے بیٹھتے رک گیا۔ مگر... اتنی دیر میں پروین کی سہیلی پلٹ کر روانہ ہو گئی تھی۔ اعظم کو بالکل شک نہیں تھا کہ وہ کوئی خاص پیغام لے کر آئی تھی اور اس نے ان تینوں کو آتے دیکھا تھا تو دور ہی ٹھہر گئی تھی۔ اس کے پیچھے دوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اعظم کا دل بیٹھنے لگا۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا وہ پروین کو کیسے بتائے گی۔ پروین اس کا کیا مطلب نکالے گی۔ کیسی غلط فہمی اور بدگمانی کا شکار ہو گی اور پھر اسے سمجھانا منانا کتنا مشکل ہو گا۔ اس کا وہ بخوبی اندازہ کر سکتا تھا۔

"گاڑی تو بہت اچھی چلاتے ہیں تمہارے بھائی جان۔" رانی نے کہا۔

"ہاں۔ تم اپنا شوفر بنا لو نا۔" افشاں نے شوفر کا لفظ یوں ادا کیا کہ اعظم نے اسے شوہر سنا۔ "ان کی گاڑی تو ایسے ہی چل رہی ہے۔"

" بھئی اب یہ بھی لے لیں گے اپنی گاڑی۔ اسے ڈی پی تو ہو گئے سمجھو۔" رانی نے جلدی سے بات آگے بڑھا دی۔ اعظم نے افشاں کو گھور کے دیکھا۔

مزید گڑبڑ پارٹی میں ہوئی۔ وہاں بہت کم لوگ تھے۔ کچھ ان کے پڑوسی۔ چند قریبی دوست۔ رانی کی دو چار سہیلیاں۔ انھوں نے تمام وقت اعظم کو گھیرے رکھا۔ وہ سوٹ میں بڑا ڈیشنگ لگ رہا تھا اور آج ہی صبح اس کی تصویر ایک سہ کالمی سرخی کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ مزید ستم رانی نے پھیلائی کہ اعظم کو اے ڈی پی بنا دیا گیا ہے۔ اعظم نے بڑی کوشش کی کہ اس خبر کی تردید کرے... بتائے کہ ابھی تو فائنل دور ہے اور فائنل جیتنا یقینی نہیں ہے مگر اس کی کوئی ماننے پر راضی نہ تھا۔ سب نے طے کر رکھا تھا کہ اس بار فائنل وہ اسی شان سے جیتے گا جیسے سیمی فائنل جیتا تھا۔ لڑکیاں اس کے گلیمرس کیریئر پر بھی فریفتہ ہو رہی تھیں اور اس کی مردانہ وجاہت پر بھی۔ رانی نے اُسے ہیرو بنا دیا تھا اور اپنے رویے سے ایسا تاثر دیا تھا کہ سب لڑکیاں اس کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں جیسے اعظم صرف اُسی کی وجہ سے آیا ہو۔ ان لڑکیوں کے والدین کا ٹریٹمنٹ بھی ایسا ہی تھا کہ معلوم ہوتا تھا، یہ رانی کی برتھ ڈے پارٹی نہیں، اعظم کی فتح کا جشن ہے۔

اچانک اعظم کو احساس ہوا کہ افشاں موجود نہیں ہے۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے جبار بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ تشویش میں مبتلا ہونے لگا۔ موقع پاتے ہی اس نے رانی سے پوچھا۔ " افشاں کدھر ہے؟"

" افشاں ؟... ہوگی یہیں کہیں۔" رانی نے گزرتے گزرتے کہا۔

مگر افشاں کہیں بھی نہیں تھی۔ دس منٹ بعد اُسے پھر موقع ملا۔

" وہ جبار نظر نہیں آ رہا ہے مجھے۔" اعظم نے کہا۔

" وہ... ہوں گے اپنے کمرے میں... یا کسی کام سے گئے ہوں گے... ابھی آ جائیں گے... آپ آئیں... کیک کاٹنے کے لیے سب جمع ہیں۔" رانی نے کہا۔ چند منٹ بعد اعظم نے دیکھا تو افشاں اور جبار دونوں میز کے گرد جمع ہونے والوں میں شامل تھے۔ اس نے وہاں بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔ واپسی کے لیے رانی نے شوفر سے کہہ دیا تھا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ کوئی مہمان ٹیکسی میں اس وقت پہنچا جب پارٹی ختم ہو رہی تھی۔ اس کی اپنی گاڑی کہیں راستے میں خراب ہو گئی تھی۔ اعظم نے وہی ٹیکسی لے لی۔

" پارٹی سے کہاں غائب ہو گئی تھیں تم... جبار بھی نہیں تھا؟" اعظم نے ٹیکسی کے روانہ ہوتے ہی برہمی سے کہا۔ " یہ کیا چکر چل رہا ہے؟"

" کل اس کے والدین ہمارے گھر آئیں گے۔" افشاں نے سکون سے کہا۔

" کل ؟" اعظم بھونچکا رہ گیا۔ " مگر کیوں... کیا ضرورت ہے ان کو... تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا ؟" اُسے احساس ہوا کہ وہ بے ربط جملے بول رہا ہے۔

" کیا خرابی ہے اس میں بھائی جان...؟"

" خرابی... خرابی یہی ہے کہ... وہ بہت بڑے لوگ ہیں۔ اور جبار... میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔" اعظم کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

" کیا وہ بہت خراب آدمی ہے ؟" افشاں باہر دیکھتی رہی۔

" خراب کا مطلب بدکردار تو نہیں... لیکن... میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں سب سمجھتا ہوں کہ یہ کس لیے ہو رہا ہے... میں امی کو منع کر دوں گا۔"

" امی انکار نہیں کریں گی بھائی جان... اور... اور میں بھی انکار نہیں کروں گی۔ وہ بڑے لوگ ہیں تو کیا... ہمیں تو چھوٹا نہیں سمجھتے... اور آپ بھی جب اے ڈی پی ہو جائیں گے..."

اعظم نے اپنی چھوٹی بہن کو کبھی اتنا سنجیدہ اور پُراعتماد نہیں دیکھا تھا۔ بات اس کے اختیار سے باہر نکل چکی تھی۔ کوئی ماں اتنا اچھا رشتہ نہیں ٹھکرا سکتی اور کون بھائی ہے جو بہن کی خوشی کا بے سبب دشمن ہو۔

اعظم نے گھر پہنچنے کے بعد ماں سے کچھ بھی نہیں کہا۔ اس نے افشاں سے بھی کچھ نہیں کہا جو سیدھی اپنے کمرے میں کپڑے بدلنے چلی گئی تھی۔

" کیا بات ہے... دونوں لڑ کر آئے ہو کسی سے ؟" ماں نے ان کا موڈ خراب دیکھ کر کہا۔ " یا آپس میں کوئی بات ہوئی ہے۔"

" کوئی بات نہیں ہوئی ماں۔" اعظم نے کہا۔ " جو ہوا اچھا ہی ہوا۔"

" اور کیا ؟" ماں نے کہا۔ " تم نہ جاتے تو کتنی بری بات ہوتی۔ وہ بیچاری خود آگئی لینے کے لیے... مجھے تو اس کی عادت بڑی اچھی لگی۔ میرے پاس بیٹھ گئی، جب میں نے کہا کہ چائے لاؤں تو کہنے لگی،

وکٹ کیپر اس بیٹس مین سے سخت نالاں تھا، جو نہ کھیل رہا تھا اور نہ ہی آؤٹ ہو رہا تھا۔ " میں نے سُنا ہے کہ تمہیں کرکٹ سے عشق ہے۔" بیٹس مین نے پلٹ کر وکٹ کیپر سے کہا۔

" ٹھیک سُنا ہے۔" وکٹ کیپر نے آہ بھر کر کہا۔ " لیکن تم اس بات کی پروا مت کرو بس کھیلتے رہو، میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔"

" ھیری کی بیوی اس کے لیے باعثِ شرم ثابت ہوئی ہے۔" جارج پُرلطف لہجے میں اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا۔ " ہم لوگ کرکٹ کوچ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے، وہ بیچاری سمجھی کہ کرکٹ کوچ کے چار پہیے ہوتے ہیں۔"

جارج کی بیوی اُلجھن میں پڑ گئی۔ وہ بولی: " اچھا جارج... تو پھر کرکٹ کوچ کے کتنے پہیے ہوتے ہیں ؟ "

میں بناتی ہوں... آپ بیٹھیں... افشاں تیار ہو رہی تھی نا... اس نے میری ایک نہیں سُنی اور خود چائے بنانے کے لیے کچن میں گھس گئی۔ میں نے بہتیرا کہا کہ کپڑے خراب ہو جائیں گے تو کہنے لگی کہ میں دوسرے پہن لوں گی۔ بہت کپڑے ہیں میرے پاس۔ اتنے بڑے گھر کی لڑکی مگر کیا اپنائیت ہے کہ خود افشاں کو لینے چلی آئی جیسے اس کے بغیر سالگرہ ہی نہیں ہوگی..."

"اس کا ایک بھائی بھی ہے ماں..." اعظم نے آہستہ سے کہا۔ "وہ کل افشاں کا رشتہ مانگنے آرہے ہیں... انکار مت کرنا... بہت اچھا لڑکا ہے۔"

آخری بات اس نے ایسے ہی کہی تھی۔ ماں سے اتنا کچھ سُن لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ ذہنی طور پر رانی سے کتنی متاثر ہو گئی ہے۔ اس کے لیے یہ زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری تھی کہ اس کی بیٹی اتنے بڑے گھر میں اور اتنے اچھے لوگوں میں جا رہی ہے۔ رات بھر ان میں سے کوئی بھی نہ سو سکا۔ ماں کو خوشی نے نہ سونے دیا۔ افشاں کو اس کے خوابوں نے جو وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور اعظم کو اس کے اندیشوں نے... ماں تو صبح ہوتے ہی مصروف ہو گئی۔ گھر کی صفائی اور تیاری، خاطر تواضع کا بندوبست... اس نے دس بار اعظم سے تصدیق کی تھی کہ وہ لوگ آج ہی آئیں گے نا... ضرور آئیں گے نا... شام کا ہی کہا تھا نا؟ اسے خوشی نے پاگل کر دیا تھا۔ افشاں شرمائی شرمائی پھر رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اعظم نے ماں کو سب بتا دیا ہے۔ اعظم نیٹ پریکٹس پر جانے کے لیے تیار ہوا تو وہ سامنے آگئی۔

"بھائی جان..." وہ اس سے چمٹ کر رونے لگی۔

"پاگل..." اعظم ہنس پڑا۔ "شروع ہو گیا رونے دھونے کا ڈراما ابھی سے؟"

"شام کو جلدی گھر آجائیے گا۔" وہ روتے روتے مسکرانے لگی۔

اعظم نے موٹر سائیکل کا پلگ صاف کیا اور کِک ماری تو وہ اسٹارٹ ہو گئی۔ وہ سڑک تک پہنچا ہی تھا کہ اسے پروین کی سہیلی نظر آئی اور اس نے موٹر سائیکل روک لی۔

"میں کل شام کو بھی آئی تھی۔" اس نے اعظم کے سلام کے جواب میں کسی تمہید کے بغیر کہا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کا موڈ بہت خراب ہے وہ کچھ موٹی اور کالی تھی۔ چنانچہ اعظم اُسے بھتنی کہتا تھا مگر وہ ہمیشہ ان کے کام آتی تھی۔ پروین کو ماں نے اس کے گھر جانے سے کبھی نہیں روکا تھا۔

"میں نے دیکھا تھا۔" اعظم نے مجرمانہ شرمندگی سے کہا۔

"میں نے بھی بہت کچھ دیکھا تھا۔" وہ بولی۔ "کل شام کو ہی نہیں، پرسوں وہاں اسٹیڈیم میں بھی..."

"تم... تم وہاں موجود تھیں؟" اعظم کا دل ڈوبنے لگا۔

"کیوں... میرے جانے پر کوئی پابندی تھی کیا؟" وہ طنزیہ اور تلخ لہجے میں بولی۔ "تم یہ تو جانتے ہو کہ میرا شوہر کرکٹ ایسوسی ایشن کے ایک رکن کا سیکریٹری ہے۔"

"میرا مطلب تھا... کہ میں نے دیکھا نہیں تمھیں۔"

"تم کیوں دیکھنے لگے کسی اور کی طرف... تمھاری نگاہیں تو ایک ہی سمت میں دیکھ رہی تھیں۔" وہ اسی جلے کٹے انداز میں بولی۔ "اور تمھاری کیا، سب کی نظریں یا تم پر تھیں یا اس پر جس کا باپ تمھارا سینئر وائس پریذیڈنٹ ہے۔ جو ذاتی ہنڈا اکورڈ میں تم کو گھر سے آ کے لے جاتی ہے افشاں کی بھی بڑی پکی سہیلی ہے وہ تو... یہ تم نے اچھا نہیں کیا اعظم۔"

"دیکھو... وہ سب جو تم نے دیکھا..."

"کہہ دو کہ غلط ہے۔" وہ چیخ کے بولی۔ "تم اس کی کار ڈرائیو کر کے نہیں جا رہے تھے۔ وہ اور افشاں سگی بہنوں کی طرح ایک جیسے کپڑوں میں نہیں تھیں۔ وہ دونوں سارا دن اسٹیڈیم میں جتنا ہنگامہ کرتی رہیں وہ بھی سب نے دیکھا تھا۔ کہہ دو یہ بھی غلط ہے کہ اس لڑکی کی ماں تمھارے لیے لنچ بھی لے کر آئی تھی۔ میں نے خود دیکھا تھا افشاں اور رانی کو کار پر بیٹھے ہوئے اور تم کو اوپر پویلین کی کھڑکی سے ہاتھ ہلاتے۔ افشاں تو بہن ہے۔ وہ لڑکی اتنی جذباتی کیوں ہو رہی تھی کہ اسے نہ دنیا کی پروا تھی نہ ماں باپ کی... پھر وہ کیسی سعادت مندی سے رانی کے باپ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی، تمھاری افشاں... معاملات اتنے بڑھ گئے اور تم نے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔"

"خدا کے لیے میری بھی سُنو... یہ سب غلط ہے۔"

"مجھے بے وقوف مت بناؤ... میرے شوہر نے سب معلوم کر لیا ہے... تم کل ان کے گھر میں رانی کی سالگرہ میں شریک تھے۔ تم کو اسے وی پی بنایا جا رہا ہے۔ کیا افشاں کے لیے جبار کا رشتہ بھی آرہا ہے؟" وہ تلخی سے بولی۔

"ہاں... جبار کی حد تک تو ٹھیک ہے۔"

"تو باقی بھی ٹھیک ہو جائے گا، جب تمھارا رشتہ رانی سے طے ہو گا۔ یہ تو اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ کیا ہو گیا ہے کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے مگر تم نے پروین جیسی سیدھی سادی لڑکی کو اندھیرے میں رکھا۔ اسے کیوں بے وقوف بناتے رہے اور تم جب بڑے آدمی ہو گئے تو ایسی قدامت پرست، پرانے فیشن کی بیوی تمھارے اسٹیٹس سے میچ نہیں کرے گی۔ وہ برقع اوڑھتی ہے۔ خود اپنے کپڑے سی کر پہنتی ہے۔ رانی کی طرح کسی بوتیک کے فیشن نہیں کر سکتی... اگر یہ محبت تھی تو تم کو شرم آنا چاہیے اسے محبت کہتے ہوئے۔"

"کیا تم نے یہ سب پری کو بھی بتا دیا ہے؟" اعظم کا حلق خشک ہو گیا۔

"کیوں نہ بتاتی میں اُسے؟ میں اس کی دوست ہوں، دشمن نہیں۔ وہ تو اندھوں کی طرح تمھارا ہاتھ تھامے آگے چلتی جا رہی تھی اُسے

تب ہوش آتا جب وہ اچانک اندھے کنوئیں میں گر جاتی اور دیکھتی کہ تم اسے چھوڑ کے جا چکے ہو۔ رانی کے ساتھ۔"

"تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، پہلے مجھ سے پوچھ تو لینا تھا۔ مجھے صفائی پیش کرنے کا ایک موقع تو دینا تھا۔" اعظم کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ سڑک نہ ہوتی تو وہ اس لڑکی کا گلا گھونٹ دیتا جس نے اُسے مجرم بنا دیا تھا اور اس کی فردِ جرم پروین کے ہاتھ میں تمہاری تھی۔ وہ کیسے وضاحت کرے گا۔ دنیا تو وہی مانتی ہے جو دیکھتی ہے یا سنتی ہے۔

"میں تم کو ایک آخری موقع دینے ہی آئی تھی۔" وہ بولی۔ "پروین میرے گھر میں ملے گی... ٹھیک گیارہ بجے۔"

"اور تم... تم کہاں جا رہی ہو...؟"

"میں نے ایک اسکول میں نوکری کر لی ہے۔" وہ بے رُخی سے بولی۔ "میرا کیا کام؟"

"تم غلط فہمی... رفع کر سکتی ہو..."

"اعظم میاں... میں تمہاری خیرخواہ نہ ہوتی تو وہ سب نہ کرتی جو آج تک کیا۔ اب بھی میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ اپنی طرف سے ایک غلط لفظ نہیں کہا۔ صرف وہی بتایا جو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کوئی بات جھوٹ ہو تو چور کی سزا وہ میری۔ میں نے پروین کو بچا لیا ہے کیونکہ تمہاری محبت کا سارا بھرم کھل گیا ہے اس کو دکھ ہوا مگر آج اس کے لیے یہ دکھ جھیلنا آسان ہے۔ سرطان کو اس وقت کاٹ کے الگ کیا جا سکتا ہے جب اس کا وجود ثابت ہو جائے مگر اس وقت جب وہ آدمی کے وجود پر غالب آ جائے تو آدمی کو اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا ہے۔" وہ نفرت اور حقارت کا سارا زہر اگل کے روانہ ہو گئی اور اعظم اس اندھے کی طرح کھڑا رہ گیا جس کا ہاتھ تھام کے سڑک پار کرانے والا خود حادثے کا شکار ہو گیا ہو۔ حالات اور واقعات اور چشم دید گواہوں کی شہادت نے اُسے مجرم بنا دیا تھا اور اس کے پاس الفاظ کے سوا کچھ نہ تھا مگر الفاظ کی شعبدہ گری بھی نظر کا دھوکا سمجھ لی جائے تو آدمی وہ کیسے بتائے جو دل میں ہو۔

وہ پروین کی سہیلی کے گھر پہنچا تو اس کا دل اندیشۂ طوفان سے لرزنے والے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ کسی انوکھی بات کے خوف میں مبتلا تھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا... کچھ نہیں ہو سکتا۔ جرم ثابت ہوا۔ قسمیں وعدے پہلے بھی جھوٹے تھے۔ اب ان کا سہارا مت لو۔ وفا کیسی کہاں کا عشق۔ سب وقت کا کھیل تھا اور وقت بدل گیا ہے۔ کھیل نہیں بدلا مگر کھلاڑی بدل گئے ہیں۔ تم ٹیم کے کپتان ہو مگر اس میں پروین کی جگہ رانی نے لے لی ہے۔ تم... تمہاری ماں... انشاں... اس کا شوہر جبار... رانی... اس کا وائس پریذیڈنٹ باپ... اس کی چالاک ماں... یہ سب ایک نئی ٹیم ہے اور پروین کا نام ان گیارہ کھلاڑیوں میں نہیں رہا جو اب تمہاری زندگی کے ٹورنامنٹ میں فائنل تک

تمہارے ساتھ ہوں گے۔ شاید پہلے بھی تم نے اسے بارھواں کھلاڑی بنا رکھا تھا مگر اب وہ گیارھواں کھلاڑی بھی نہیں۔ اس کا کوئی کیریئر نہیں، کوئی مستقبل نہیں۔ جو نکل گیا سو نکل گیا۔ شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں۔ جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا۔

اعظم نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ یہ دو کمروں کا فلیٹ تھا جو اس عمارت کی دوسری منزل پر واقع تھا۔ ہر زینہ دو فلیٹوں کے لیے تھا چنانچہ ایک دروازے کے بالکل سامنے دوسرا دروازہ تھا اور زینہ ان کے درمیان سے اوپر چلا جاتا تھا۔ دستک پر سامنے کے فلیٹ میں رہنے والی خاتون نے باہر جھانکا اور دروازہ پھر بند کر لیا۔ شاید اسے غلط فہمی ہوئی تھی کہ کسی نے اس کا دروازہ بجایا ہے۔ اعظم نے پھر دستک دی۔ دروازے کی چٹخنی اندر سے گری اور دروازہ کھل گیا۔ چٹخنی عمداً اس طرح لگائی گئی تھی کہ دروازہ تھوڑا سا بھی ہلے تو چٹخنی گر جائے۔ پہلا کمرا جو بالکل سامنے پڑتا تھا، بیڈ روم تھا۔ بائیں ہاتھ پر ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال ہونے والے کمرے کا دروازہ تھا۔

بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی اعظم نے پروین کو دیکھا۔ وہ بستر پر آنکھیں بند کیے پڑی ہوئی تھی اور اس کی کلائی سے بہنے والا خون تکیے اور چادر کو سرخ کر رہا تھا۔ وہ چھری جس سے پروین نے اپنی کلائی کاٹی تھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی تھی۔

"پری..." اعظم چلایا اور دیوانہ وار آگے بڑھ کر پروین پر جھک گیا۔ پروین نے آنکھیں کھولیں اور مسکرائی۔ شاید اس نے دروازے پر دستک سننے کے بعد اپنی کلائی کاٹی تھی۔ وہ اعظم کی مخصوص دستک کو پہچان گئی تھی۔ "یہ... یہ تو نے کیا کر دیا پری۔" اعظم نے وحشت میں کہا۔

"میں تمہارے راستے میں حائل رہنا نہیں چاہتی تھی۔" وہ کمزور لہجے میں بولی: "اور میں تمہارے بغیر بھی زندہ نہیں رہ سکوں گی۔"

پلک جھپکتے میں اعظم نے پروین کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ کلائی پر پٹی باندھ کے خون روکنا ضروری ہے۔ اس نے پروین کے دوپٹے کو اس کی کلائی پر کس کے باندھ دیا اور اس کی مزاحمت اور چیخنے چلانے کی بالکل پروا نہیں کی لیکن اس شور نے سامنے والے فلیٹ سے جھانکنے والی خاتون کو متوجہ کر لیا۔ اعظم فلیٹ کو کھلا چھوڑ کے نکلا اور زینے سے اتر گیا۔ پروین چلاتی رہی "مجھے چھوڑ دو... مجھے مر جانے دو... مجھے زندہ نہیں رہنا ہے۔" لیکن اعظم نے اس کی ایک نہیں سنی۔ نیچے آتے ہی اسے ٹیکسی مل گئی۔

پروین کی کلائی سے خون اب بھی رس رہا تھا۔ اس پر آہستہ آہستہ بے ہوشی طاری ہوتی جا رہی تھی کیونکہ اس کا خون کافی بہہ چکا تھا۔ اعظم اس سے مسلسل باتیں کرتا رہا۔ اسے اپنی محبت کا یقین دلاتا رہا اور اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا لیکن الفاظ اپنی حرمت کھو چکے تھے۔ پروین تو پہلے ہی حوالوں سے ڈرتی تھی اب خوب صورت لفظوں سے بھی ڈر رہی تھی۔ اس کی کلائی سے نکلنے والے خون نے اعظم کے کپڑوں کو داغدار کر دیا تھا اور سامنے سے اس کے بنیان پر خون کے دھبے جیسے پروین کی تقدیر کا نوشتہ بن گئے تھے اور اس کے خون کی تحریر بھی اعظم سے کہتی تھی کہ اب میرے لیے کوئی جگہ نہیں رہی۔ مجھے ڈراپ کر دو۔ میں کبھی گیارھواں کھلاڑی بھی نہیں بن سکی جسے شامل کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کسی کا دباؤ ہو یا اختلافِ رائے ہو... میں کبھی اس کی اہل نہ تھی۔

اسپتال کے ڈاکٹروں سے خود کو متعارف کرا کے فوری توجہ حاصل کرنا اعظم کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنا لیکن یہ میڈیکولیگل کیس تھا۔ پولیس سرجن کے عملے کا ایک نائک، اعظم کے تعارف سے بالکل متاثر نہیں ہوا۔ "او جی آپ کچھ بھی ہوں... اس لڑکی کے کیا لگتے ہیں؟" وہ مونچھیں مروڑ کے بولا۔

"اس کا... کچھ نہیں... میرا مطلب ہے عزیز ہوں۔"

"اچھی طرح سوچ لیں..." حوالدار نے کہا: "کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے؟"

"رشتہ... میں اسے بچپن سے جانتا ہوں... اس کے مرحوم والد..."

"او جی وہ تو مرحوم ہو گئے نا... اب ان کا کیا حوالہ دینا۔" نائک بولا۔

"صاف کہیں نا کہ آپ کی آشنا ہے۔" حوالدار نے تائید کی: "کوئی آگے پیچھے دوسرا نہیں تھا اس کا...؟"

"ماں ہے... لیکن..." وہ رک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ پہلے پروین کی عزت آبرو کا داغ بن سکتا ہے۔ اگر پروین کی ماں کو حقیقت کا علم ہوگا تو کیا وہ صدمے سے مر نہیں جائے گی۔

"آپ کہتے ہو اس نے خودکشی کی ہے۔ کیوں؟" حوالدار نے اعظم کی خاموشی کو اعترافِ جرم سمجھتے ہوئے کہا: "میرا تو خیال ہے کہ یہ اقدامِ قتل کا کیس ہے۔ اگر وہ مر گئی تو قتل ہو گا..."

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔" اعظم گرم ہونے لگا: "وہ ہوش میں آکے بیان دے گی۔"

"دیکھو لو میاں... گرمی تو ہم سب کی نکال دیتے ہیں۔" حوالدار نے خطرناک لہجہ بنا کے کہا: "کوئی پائلے خان کا سالا ہو یا سٹنڈے لاٹ کا پتر... یہ صاف ناجائز تعلقات کا کیس ہے۔ حدود آرڈیننس کے تحت لڑکی بھی مجرم ہے جو اپنے یار سے ملنے خود ایک فلیٹ میں گئی تھی۔ فلیٹ میں کوئی نہیں تھا۔ وہ بھی پھنس جائیں گے جو اپنے فلیٹ پر بدکاری کا اڈا چلاتے تھے۔ وہ استانی اور اس کا میاں ان کا نام تلو۔ بلاتے ہیں ان کو بھی تھانے کے ذریعے... لڑکی کی ماں کو بھی بلا لو جی۔"

نائک ایک دم مستعد ہو گیا۔ کیس بہت لمبا اور منافع بخش ہو گیا تھا۔ "دیکھیں، آپ کسی ڈاکٹر سے پوچھ لیں کہ میں کون ہوں..."

نائک نے اس کے منہ پر ایک جھانپڑ مارا۔ "اوئے پتا ہے ہم کو تو کرکٹ کا وڈا کھلاڑی ہے لیکن یہ کون سی کھیل ہے؟ لڑکیوں

کی عزت سے بھی کھیلتے ہو؟ ابھی تو میڈیکل ہوگا لڑکی کا اور تیرا... اس کیس میں تو ضمانت بھی نہیں ہوگی۔ ڈاکٹر کیا کریں گے...؟"

اعظم کا منہ تھپڑ پڑنے سے لال ہوگیا تھا مگر وہ بے عزتی کو بھی پی گیا۔ صورتِ حال بہت سنگین ہوگئی تھی۔ اس کے اور پروین کے خلاف ہی نہیں پروین کی سہیلی اور اس کے شوہر کے خلاف بھی بہت سے مقدمات بن سکتے تھے یا بنائے جاسکتے تھے۔ کیونکہ واقعاتی شہادت سو فیصد ان کے خلاف تھی۔ اگر وہ بند ہوجاتا تو یہ بدنامی ہی اس کا کیریئر ختم کرنے کے لیے کافی تھی۔ وہ فائنل نہ کھیل پاتا۔ صرف چوبیس گھنٹے میں ضمانت پر رہا ہونے کا سوال ہی نہ تھا۔ اس کا لے دی بی بننا تو دُور کی بات تھی، اُسے بینک کی ملازمت سے فوری طور پر برطرف کردیا جاتا۔ اخبار میں سنسنی خیز خبریں شائع ہوتیں۔ رائی کا پہاڑ بنا کے پیش کرنے والے سنسنی خیز رپورٹر تو یہ بھی لکھ مارتے کہ پولیس نے ان دونوں کو جائے واردات سے شرمناک حالت میں پکڑا۔

اعظم کے ذہن نے فوراً سمجھ لیا کہ قانونی طور پر اس گندگی کی دلدل سے چھٹکارا ناممکن ہے جس میں اس کی اور پروین کی عزت بھی ڈوب جائے گی۔ ان کا مستقبل بھی اور اُن کے خاندان کی آبرو بھی۔ اس سے نکلنے کی واحد صورت یہ تھی کہ معاملے کو بڑھنے سے پہلے دبا دیا جائے۔ پولیس بھی ایسے رویے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جس میں دونوں کا فائدہ ہو۔ اس ہاتھ دو، اس ہاتھ لو کے اصول پر عمل کرنے سے سب پریشانی سے بچتے ہیں اور عدالتوں پر کام کا بار نہیں پڑھتا۔ سالوں چلنے والا مقدمہ منٹوں میں ختم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ وہ متعدد قانونی حوالے صرف اس لیے دیتے ہیں کہ ان کے سودا کرنے کی طاقت بڑھ جائے۔ پرچا وہ اس وقت تک نہیں کاٹتے جب تک کہ ملزم ضدی، اصول پرست، احمق یا پھکڑ نہ ہو۔

"حوالدار صاحب! آپ پرچا کاٹنے میں جلدی نہ کریں، میں کچھ بندوبست کرتا ہوں۔" اعظم نے آہستہ سے کہا۔ "معاملہ ختم کرانے کا کتنا نذرانہ پیش کرنا ہوگا۔"

حوالدار اس کی صاف گوئی پر تھوڑا سا چونکا۔ لڑکا سمجھدار تھا مگر ضرورت سے زیادہ صاف گو تھا۔ اس نے تھوڑی سی اکڑفوں اور دکھائی۔ "ترا می دی کہ رشوت کی بات کرتے ہو۔ پھنسانا لگ رہے تھے دخل دیا کہ جناب جانے دیں۔ عزت دار لوگ لگتے ہیں یہ بھی، غلطی ہوگئی ہے، دونوں سے جوانی کے جوش میں..." حوالدار چند منٹ کے ڈرامے کے بعد نرم پڑ گیا۔ اعظم کو ایک فون کرنے کی اجازت مل گئی۔ وہ طے کرچکا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا ہے۔

ابوالقاسم خان سے سیکریٹری نے انٹرکام پر کہا: "سر... مسٹر اعظم حنیظ بات کرنا چاہتے ہیں۔"

ابوالقاسم خان نے ریسیور اُٹھا لیا۔ "ہاں بھئی اعظم۔"

اعظم نے مختصراً اُسے بتادیا کہ وہ سول اسپتال سے بول رہا ہے۔

ایل بی ڈبلیو کی پانچویں اپیل مسترد ہوئی تو بلّے باز تپ گیا۔ وہ امپائر کی طرف پلٹا: "جنابِ عالی یہ تو بتائیے کہ آپ کی چھڑی کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"چھڑی؟ کیسی چھڑی؟ میرے پاس کوئی چھڑی نہیں ہے۔" امپائر نے حیرت سے کہا۔

"کمال ہے۔" بلّے باز غرایا۔ "میں نے آج تک کسی اندھے کو بغیر چھڑی کے نہیں دیکھا۔"

وہ ایک لڑکی کو لایا تھا جس نے خودکشی کی کوشش کی تھی مگر پولیس اُسے اقدامِ قتل اور حدود آرڈیننس وغیرہ میں ملوث کر رہی ہے۔ حالانکہ وہ لڑکی کی مدد نہ کرتا تو وہ مر جاتی۔"

"وہ لڑکی تمھاری کون ہے؟" ابوالقاسم خان نے ساری بات سُن کے جو سوال کیا وہ بالکل منطقی تھا۔

"یہ میں آپ کو ٹیلی فون پر نہیں بتاسکتا۔" اعظم نے کہا۔ "اس وقت آپ ہی میری مدد کرسکتے ہیں۔ کل تو فائنل ہے۔"

"ہوں..." ابوالقاسم خان نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "میں دیکھتا ہوں کہ کیا ہوسکتا ہے۔ فائنل کا تو مسئلہ نہیں، تمھارے بغیر بھی ہوجائے گا... تمھارا وائس کیپٹن قیادت کرلے گا... بس گیارھواں کھلاڑی رکھنا پڑے گا..."

اعظم سمجھ گیا۔ بال ان کے کورٹ میں تھی۔ اختیار ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس کا کیریئر... اس کا مستقبل، پروین کی اور اس کے خاندان کی آبرو ان کے ہاتھ میں تھی۔

"اور یہ بڑا غلط ہوگا اگر تمھاری آنٹی کو معلوم ہوا۔" وہ بولے... "انھوں نے تو آج شام تمھارے گھر آنے کی تیاری مکمل کرلی تھی... یہ بہت بُرا ہوا... مگر خیر... ابھی میرے اور تمھارے سوا کسی کو علم نہیں... میں آتا ہوں۔"

ابوالقاسم خان نے ریسیور رکھ کے انٹرکام کا بٹن دبایا: "مجھے ایس ایس پی کا نمبر ملا کے بتاؤ۔ وہ نہ ملے تو ہیڈ کوارٹر میں اے ڈی آئی جی ملک بازگل سے بات کراؤ۔"

"یس سر..." سیکریٹری نے کہا اور ایک منٹ بعد کہا: "ایس ایس پی صاحب لائن پر ہیں سر..."

ابوالقاسم خان کے اسپتال پہنچنے سے قبل ہی حوالدار پر چودہ طبق روشن کرنے والا ایس ایس پی کا فون آچکا تھا۔ اعظم اب ان کی نظر میں معزز ہوگیا تھا اور وہ اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے پر آمادہ تھے۔ مگر اعظم خود اپنی نظر میں اتنا ذلیل ہوچکا تھا جتنا ایک معمولی

نالکھ کے تقرر سے نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنا سب کچھ ہار دیا تھا۔ تقدیر نے بساطِ وقت پر ایسے مُہرے چلے تھے کہ اسے مات ہو گئی تھی۔ اس کے پاس اب کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ اپنا غرور... نہ اعتماد... نہ اپنی وفا اور نہ عزتِ نفس۔ کل تک وہ جبار کو کسی قیمت پر گیارھواں کھلاڑی بنانے کے لیے تیار نہ تھا۔ آج وہ بھیک مانگنے پر مجبور تھا کہ اسے ٹیم کا گیارھواں کھلاڑی رہنے دیا جائے۔ اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ یہ ناممکن تھا کہ وہ جبار کو گیارھواں کھلاڑی نہ بننے دیتا۔ اب یہ سلیکشن کمیٹی میں کسی کے ووٹ سے طے ہونے والا مسئلہ نہیں رہا تھا۔ کاسٹنگ ووٹ افشاں کا ہو گیا تھا جس کا رشتہ اعظم کی انا اور اصول پرستی پر قربان ہو جاتا تو شاید وہ بھی وہی کرتی جو پروین نے کیا تھا۔

ابوالقاسم خان آئے اور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ حوالدار اور نائک نے پانچ پانچ سو کے دو نوٹوں کو غنیمت سمجھا ورنہ ایس پی صاحب کا خاص آدمی تو انھیں بھی معطل کرا سکتا تھا۔ ایمرجنسی وارڈ میں لیٹی ہوئی مریضہ کے بارے میں صرف اتنا لکھا گیا کہ اسے گشت کرنے والی پولیس پارٹی نے ایک بنچ پر بے ہوش پڑا پایا تھا اور سول اسپتال پہنچا دیا تھا۔ پولیس پارٹی کی گواہی کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا تھا اور یہ وضاحت خود لڑکی کو ہوش میں آنے کے بعد کرنا تھی کہ وہ وہاں کیوں پڑی ہوئی تھی اور اس نے اپنی کلائی کیوں کاٹ لی تھی۔

اسی شام صاعقہ اور ابوالقاسم خان کی چمکتی دمکتی ہنڈا اکارڈ ان کے دروازے پر آ کے رُکی تو اعظم نے خود آگے بڑھ کے ان کا استقبال کیا۔ انھوں نے آج صبح کے واقعے کو فراموش کر دیا تھا۔

رشتے کی بات طے کرنے کے بعد جب وہ رخصت ہونے لگے تو ابوالقاسم نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد کہا۔ "بھئی اعظم وہ ایک بات تو رہ گئی۔ کل ہم نے فیصلہ تو کر لیا تھا کہ ٹیم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کیے بیٹھے رہے۔ "مگر ایک لڑکا اَن فٹ ہو گیا ہے۔ اس نے فون کیا تھا مجھے... کیا نام ہے اس کا، وہ جو نمبر سکس پر کھیلتا ہے؟"

"نمبر سکس کی کیا پرابلم ہے سر؟" اعظم نے کھڑکی کے قریب سے کہا۔ "جبار جو ہے۔"

"اچھا... اگر کوئی اور زیادہ موزوں گیارھواں کھلاڑی ہو تو..."

"میرے خیال میں جبار سے بہتر گیارھواں کھلاڑی کوئی نہیں۔"

"اچھا تو پھر ٹھیک ہے... میں بتا دوں گا انھیں۔ گڈ لک اینڈ... گڈ بائی..." انھوں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اعظم خالی سڑک کو دیکھتا رہا۔ اس کی سائیں سائیں سنتا رہا۔

صرف ایک دن بعد ایک انتہائی سنسنی خیز مقابلے کے بعد نیشنل ائیرلائنز نے فائنل جیت لیا۔ ہار جیت اب اعظم حفیظ کے لیے بے معنی ہو گئی تھی مگر وہ اپنی شکست پر اپنی ہی ٹیم کے اس گیارھویں کھلاڑی سے آنکھ نہیں ملا سکتا تھا جسے اعظم نے اپنے کیریئر، اپنے مستقبل اور اپنی بہن کی خوشی کے تحفظ پر قربان کر دیا تھا اور جو پویلین میں صرف اس لیے بیٹھا ہوا تھا کہ اسے جبار کے لیے جگہ خالی کرنا پڑی تھی۔ یہ سینئر وائس پریذیڈنٹ صاحب کی خواہش تھی اور اس کا انعام ایک وعدہ تھا کہ اسے اگلے گریڈ میں پروموشن دے کر منیجر بنا دیا جائے گا۔ دس واز ناٹ کرکٹ... بٹ دس واز لائف۔

کھیل کی ہار جیت کو زندگی کی ہار جیت سے زیادہ اہم سمجھنے والا اعظم حفیظ بالآخر کمپرومائز پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے رنر اپ ٹرافی لی اور جبار کے کندھے پر تھپکی دے کر کہا۔

"تم کیوں اتنے افسردہ ہو؟ تم ایک بھی رن نہیں بنا سکے تو کیا ہوا۔ جیت مقدر میں ہوتی تو پھر ایک رن کوئی اور بھی تو بنا سکتا تھا۔" اور جبار نے سر ہلایا۔

اس رات جب بنک کے سینئر وائس پریذیڈنٹ نے فائنل میں پہنچنے والی ٹیموں کے اعزاز میں عشائیہ دیا تو بڑی گہماگہمی اور رونق تھی۔ رانی اور افشاں پھر ساتھ تھیں اور صاعقہ کی ماں کے ساتھ بیٹھی ہوئی، افشاں کی ماں سوچ رہی تھی کہ اگر اعظم کے مرحوم والد نے پروین سے رشتے کی بات طے نہ کی ہوتی تو آج ان کے لیے رانی کا رشتہ مانگنا کتنا آسان تھا۔

دُور سول اسپتال کے شعبۂ حادثات میں ایک نرسنگ آرڈرلی نے دوسرے نرسنگ آرڈرلی سے کہا۔ "بھئی وہ گیارہ نمبر کا والی وارث نہیں پہنچا کوئی؟"

"نہیں یار۔" نرسنگ آرڈرلی نے جواب دیا۔ "پتا نہیں کون تھی بے چاری، کسی شریف گھر کی لگتی تھی مگر مر کیسے گئی؟ کل تک تو ٹھیک تھی؟"

"خون بہت ضائع ہو گیا تھا نا۔ پھر اس نے ہوش میں آتے ہی یہ کیا کہ خون کی بوتل کی نلکی ہٹا دی۔ اور اپنی پٹی بھی کھول دی... وہ جینا ہی نہیں چاہتی تھی یار۔"

"ہاں ایسا ہی لگتا ہے۔" پہلے نرسنگ آرڈرلی نے کہا۔ وہ پانچ ہزار روپے ابھی اس کی جیب میں ہی تھے جو اسے کسی نامعلوم شخص نے ایک کاغذ کے پُرزے کے ساتھ بھجوائے تھے۔ کاغذ پر صرف اتنا لکھا ہوا تھا۔ "نمبر گیارہ کا بلڈ ہٹا دو۔" اور اس نے ایسا ہی کیا تھا تاہم شک سے بچنے کے لیے اس نے دوسرے سے پوچھا تھا کہ یہ لڑکی کیسے مر گئی۔ اس کا قاتل کون تھا؟ وقت... مقدر... محبت... اعظم کی بے وفائی... یا وہ گیارھواں کھلاڑی؟

پروین کی لاش کو اس سوال کے جواب کے لیے یوم مکافاتِ عمل تک انتظار کرنا تھا۔

محمد سجاد بھٹی محمد نعمان یاسر حسنین